اٰیَاتُھَا 22 (58) سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (105) رُكُوْعَاتُھَا 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الْجُزْءُ الثَّامِنُ وَالْعِشْرُوْنَ (28)

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

اللہ نے اس (عورت) کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ سے فریاد کرتی تھی۔ اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (3305)ل

سورۃ المجادلہ

نام:

اس سورت کا نام اَلْمُجَادَلَةِ ہے اور اس میں 3 رکوع اور 22 آیتیں ہیں۔ یہ نام اس سورت کا ایک مسلمان عورت کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مجادلہ سے لیا گیا ہے۔ مگر صدر سورت میں اس کا ذکر کر کے باقی ساری سورت میں مخالفین کی منصوبہ بازیوں اور شرارتوں کا ذکر ہے۔ اور یہ دو گروہ ہیں، ایک یہودی اور ایک منافق اور یہ دونوں اندرونی دشمن اسلام تھے۔ کیونکہ یہود نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا تھا اور منافق برائے نام مسلمان کہلاتے تھے اور یہ ذکر مقابلہ کے رنگ میں ہے۔ ایک عورت بھی رسول اللہ ﷺ سے جھگڑتی ہے مگر اس جھگڑے کی اللہ تعالیٰ اس قدر عزت کرتا ہے کہ فرماتا ہے کہ اس کی بات کو ہم نے سن لیا، اس لیے کہ وہ حق پر جھگڑتی ہے۔ مگر منافق اور یہودی ناحق پر جھگڑا کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ ذلیل ہوں گے اور اللہ کا رسول غالب آئے گا۔ اور پچھلی سورت میں جو ذکر کیا تھا یہاں اس کو زیادہ واضح کر دیا ہے۔ اس سورت کے نزول کے زمانہ کے متعلق اس قدر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مدنی ہے اور سورۃ احزاب سے پہلے کی ہے۔ کیونکہ سورۃ احزاب کے صدر میں بھی ظہار کا ذکر ہے اور اس میں بھی۔ اور یہاں جو ذکر ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احزاب والا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا۔ اور چونکہ سورۃ احزاب کا نزول چوتھے سال ہجرت سے شرع ہوتا ہے اس لیے یہ سورت اس سے پیشتر کی ہے۔

3305ل- **خولہ بنت ثعلبہ کا واقعہ:** ان چار آیات کا نزولہ خولہ (یا خویلہ جو اس کی تصغیر ہے) بنت ثعلبہ کے متعلق ہے اور یہ کسی قدر اختلاف کے ساتھ متعدد روایات میں ہے ان کا خاوند اوس بن صامت بوڑھا آدمی تھا اور طبیعت میں کچھ بدخلقی آ گئی تھی۔ کسی بات پر ناراض ہو کر بی بی سے ظہار کیا اور جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب بی بی کو ماں کہہ دیا جاتا تو وہ اس پر قطعاً حرام ہو جاتی [اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ایلاء اور ظہار دونوں جاہلیت میں طلاقیں تھیں۔ (ش)] اور ان کا بال بچہ بہت تھا۔ تب وہ بی

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲

تم میں جو لوگ اپنی عورتوں کو مائیں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں۔ ان کی مائیں صرف وہ ہیں جنہوں نے انہیں جنا اور وہ بیہودہ بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ اور اللہ (تعالیٰ) یقیناً معاف کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳

اور جو لوگ اپنی عورتوں کو مائیں کہہ دیتے ہیں پھر اس کی طرف واپس لوٹتے ہیں جو کہا تھا تو ایک غلام کا آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔ اس کے ساتھ تمہیں وعظ کیا جاتا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔ (3306)

بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا میں یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہوگئی۔ (یہ بعض روایات کے الفاظ ہیں، بعض میں لفظ کچھ اور ہیں) اس پر وہ بار بار عرض کرتی رہی کہ میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ پر حالت وحی طاری ہوئی۔ جب وہ حالت جاتی رہی تو آپ نے اسے بلا کر یہ آیات سنائیں۔ اس مسئلہ کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

انسان اور خدا میں عرض ومعروض کے لیے کوئی واسطہ بکار نہیں:

یہ آیات بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی بات کو سنتا ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک بات پہنچانے کے لیے درمیان میں کوئی واسطہ ہونا چاہئے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ یہاں خود رسول اللہ ﷺ سے ایک معمولی عورت بحث کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کی بات کو سن لیا۔ تو اس میں عاجز سے عاجز اور گنہگار سے گنہگار بندے کے لیے خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو بھی سننے کے لیے تیار ہے، بشرطیکہ خولہ جیسا دل رضائے مولیٰ کا طالب اس کے سینہ میں ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہی بی بی ایک دفعہ رستے میں انہیں مل گئیں، جب بہت سے معزز آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ اس کے خطاب کرنے پر آپ ایک طرف اس کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ بہت دیر ہوگئی۔ آخر جب وہ گئی تو ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین! ایک بڑھیا کی خاطر آپ نے اتنے بڑے بڑے آدمیوں کو روک رکھا۔ آپ نے اسے ملامت کی اور فرمایا یہ وہی خولہ ہے جس کی بات کو اللہ تعالیٰ نے سنا۔

3306 - **ممانعت ظہار:** ﴿ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ یعنی اول تو اسے ماں کہا، پھر لوٹ کر اس سے بی بی کا تعلق قائم کرنا چاہتے ہو۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴

پھر جو کوئی (غلام) نہ پائے تو دو مہینے کے پے بہ پے روزے ہیں اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔ پھر جسے (یہ) طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی (قائم کردہ) حدیں ہیں۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ ۚ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے (مخالفت حق کرنے والے) ذلیل کیے گئے اور ہم نے تو کھلے حکم اتار دیئے ہیں اور کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ (3307)

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶ ع 1 6 1

جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں اس کی خبر دے گا جو انہوں نے کیا ہے۔ اللہ نے اسے محفوظ رکھا ہے اور وہ اسے بھول گئے، اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

گویا جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر دیا تھا اب اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ تو اس کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا ہے، وہ نہ کر سکے تو ساٹھ روزے، وہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کا کھانا جیسا کہ اگلی آیت میں ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ظہار سے روکتا ہے اور جو شخص ظہار کرتا ہے اس کے لیے یہ خاص سزا مقرر کی ہے اور سزا انہی افعال پر دی جاتی ہے جن کا روکنا مدنظر ہو۔ اور پھر اسے مُنْكَرًا اور زُوْرًا بھی کہا۔ پس کسی مسلمان کا اپنی بی بی کو ماں کہنا تعلیم اسلامی کی رو سے ناجائز ہے، [آیت:5] سے بھی یہی ظاہر ہے۔ اس لیے کہ وہاں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا ذکر ہے، تو گویا اسے بھی مخالفت حکم الٰہی قرار دیا ہے۔

3307- یہ قرآن کریم کی نہایت ہی لطیف طرز انتقالِ مضمون کی ہے۔ شروع سورت کو یہاں سے کیا تھا کہ ایک عورت اپنے خاوند کے بارہ میں تجھ سے جھگڑتی ہے، اسی اثنا میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو عورتوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ گویا یہ بھی ایک گونہ مخالفت حق ہے، تو اس سے اب عظیم الشان مخالفت حق کی طرف انتقال مضمون کیا ہے جو اعدائے اسلام کر رہے تھے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی تین خفیہ مشورہ کرنے والے نہیں ہوتے مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں۔ پھر انہیں قیامت کے دن اس کی خبر دے گا جو انہوں نے کیا۔ اللہ (تعالیٰ) ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (3308)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں خفیہ مشورے سے روکا گیا پھر وہ لوٹ کر اس کی طرف جاتے ہیں جس سے روکے گئے اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کا خفیہ مشورہ کرتے ہیں۔ اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے اس (کلمہ) سے دعا دیتے ہیں جس سے اللہ نے تجھے دعا نہیں دی اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں اللہ کیوں ہمیں اس پر عذاب نہیں دیتا جو

3308- ان آیات میں ان خفیہ مشوروں کا ذکر ہے جو یہود اور منافقین اسلام کی بربادی کے لیے کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اگلی آیت میں صاف کر دیا اور جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ﴾ [النساء: 114:4] یعنی ان کے خفیہ مشورے کسی بھلے کام کے لیے نہیں [دیکھو نمبر: 731]۔ تو یہاں ان مخالفین حق کو جو خفیہ منصوبوں سے اسلام کو تباہ کرنا چاہتے تھے، بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مشوروں کے حالات سے واقف ہے۔ اور ﴿ثَلٰثَةٍ﴾ اور ﴿خَمْسَةٍ﴾ چونکہ مطلق ہیں اس لیے تین افراد بھی مراد ہو سکتے ہیں اور تین قومیں بھی۔ اور ﴿لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ﴾ دوسری بات کا مؤید ہے۔ کیونکہ قوموں کی حالت میں ایک یا دو قومیں بھی منصوبہ بازی اور خفیہ مشورہ کر سکتی ہیں اور آج تین قوموں نے بھی اسلام کے خلاف خفیہ مشورے کیے اور پانچ نے بھی اور اس سے کم نے بھی اور زیادہ نے بھی۔ گو زیادہ تر تین اور پانچ کے ہی رہے، مگر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اور جسے مار چکے تھے اسے اعجازی زندگی اللہ تعالیٰ نے دوبارہ عطا فرمائی اور اسلام کا نام پہلے سے بڑھ کر روشن ہوا۔ تین اور پانچ کے خاص عدد اختیار کرنے میں اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸

ہم کہتے ہیں۔ان کے لیے دوزخ کافی ہے،وہ اس میں داخل ہوں گے۔سو وہ بری جگہ ہے۔(3309)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۭ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم الگ ہو کر بات چیت کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی بات چیت نہ کرو اور نیکی اور تقویٰ کی بات چیت کرو۔اور اللہ کا تقویٰ کرو جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

(یہ) خفیہ مشورہ شیطان کی طرف سے ہے تاکہ انہیں غم میں ڈالے جو ایمان لائے اور وہ (مشورہ) سوائے اللہ کے اذن کے انہیں کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں اور اللہ پر ہی چاہئے کہ مومن بھروسا کریں۔(3310)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمہیں کہا جائے کہ

3309- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بخاری، مسلم وغیرھما میں ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بجائے [اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ] کے کہا[اَلسَّامُ عَلَيْكَ] جس کے معنی ہیں تجھ پر موت آئے۔تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا[عَلَيْكُمُ السَّامُ وَ لَعْنَكُمُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْكُمْ] (صحيح البخارى، كتاب الدعوات، باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: يُسْتَجَابُ لَنَا فِي الْيَهُودِ ، وَلاَ يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِينَا: 6401) تم پر موت آئے اور اللہ کی لعنت ہو اور اس کا غضب ہو۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! اللہ تعالیٰ اس قسم کی لعنت گوئی کو پسند نہیں کرتا۔اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو[اَلسَّامُ عَلَيْكَ] ہی کہا کرتے تھے۔(ر)اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان آیات میں یہودیوں کا ذکر ہے اور یہ لوگ منافقوں کے ساتھ مل کر اسلام کی تباہی کے لیے خفیہ مشورے کیا کرتے تھے۔اور ﴿بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ﴾ میں اس دعا کی طرف اشارہ ہے جو تشہد میں ہے[اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ] جو حکایۃً من جانب اللہ ہے۔

3310- یہاں صاف بتادیا کہ یہ خفیہ مشورے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے تھے اور اسی لیے انہیں شیطان کی طرف منسوب کیا ہے۔

تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل جایا کرو، تاکہ اللہ تمہیں فراخی دے۔ اور جب کہا جائے اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو۔ تا اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرے جو تم میں سے ایمان لائے اور وہ جنہیں علم دیا گیا۔ اور اللہ (تعالیٰ) اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔ (3311)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم رسول سے علیحدہ بات چیت کرو تو اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ پھر اگر

3311 - ﴿تَفَسَّحُوْا﴾ فَسِيْحٌ وسیع مکان کو کہتے ہیں اور تَفَسُّح کے معنی توسع یا کشادہ ہو جانا ہیں۔
﴿الْمَجٰلِسِ﴾ جَلَس کے معنی بیٹھا اور مَجْلِس اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان بیٹھتا ہے۔

آداب مجلس:

اوپر اعدائے اسلام کے خفیہ منصوبوں کا ذکر تھا اور یہاں آداب مجلس میں ایک بات کا ذکر کر دیا ہے۔ یعنی مجلس میں اپنے بھائیوں کے آرام کا خیال رکھنا اور دوسروں کی خاطر خود تکلیف اٹھا لینا۔ تو وجہ تعلق یہ ہے کہ جب ان مجالس خفیہ کا ذکر کیا جہاں گناہ اور زیادتی اور معصیت الرسول کے مشورے ہوتے تھے۔ اور اس کے بالمقابل مومنوں کو تعلیم دی کہ وہ جو مجالس قائم کریں نیکی اور تقویٰ قائم کرنے کے لیے کریں۔ تو اب ان مجالس میں کچھ آداب کا بھی ذکر کیا۔ اور گو یہ حکم عام ہے مگر خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ کی مجلس کا ذکر ہے جہاں کثرت سامعین کی وجہ سے اور اس شوق کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کے قریب بیٹھا جائے، بھیڑ زیادہ ہو جاتی تھی۔ اور بعض نے مجالس قتال مراد لی ہیں جہاں شوق شہادت کی وجہ سے ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور ﴿انْشُزُوْا﴾ سے مراد بھی یا رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے اٹھ جانا ہے تاکہ آپ تنہا بھی ہو سکیں اور حسن اور قتادہ اور ضحاک کے نزدیک مراد جنگ یا نماز یا طاعت رسول کے لیے اٹھنا ہے۔ (ر) اور ﴿وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجالس علمی کا ذکر ہے جہاں علم اور معرفت اور روحانیت کا سبق ملتا تھا۔ اور ترمذی وغیرہ نے آنحضرت ﷺ سے حدیث بیان کی ہے [فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ] (سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب: الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ، حدیث: 3643) (ر) عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کی سب ستاروں پر۔

تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

تم نہ پاؤ تو اللہ (تعالیٰ) مغفرت والا، رحم کرنے والا ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

کیا تم ڈر گئے کہ اپنے مشورہ سے پہلے صدقہ دیا کرو تو جب تم نے (ایسا) نہ کیا اور اللہ نے تم پر رجوع برحمت کیا ہے، تو نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔ (3312)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو ان لوگوں سے دوستی گانٹھتے ہیں جن پر اللہ ناراض ہے، نہ وہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے۔ اور وہ جھوٹ پر قسمیں اٹھاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔ (3313)

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

ان کے لیے اللہ نے سخت عذاب تیار کیا ہے۔ برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہے، پس اللہ کے رستہ سے روکتے ہیں۔ سو ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

3312 - اس سے پہلی آیت میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کرو تو کچھ صدقہ دے لو اور یہاں ہے کہ اگر تم نہ دو تو بھی حرج نہیں۔ تو کہا گیا ہے کہ پہلی آیت دوسری سے منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک وہ آیت حکم زکوٰۃ سے منسوخ ہے۔ پھر کوئی کہتا ہے پہلی آیت کا حکم دس دن قائم رہا تھا، کوئی کہتا ہے صرف ایک گھڑی، کوئی کہتا ہے عمل کرنے سے پہلے ہی اس پر خط نسخ کھینچا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو دونوں آیتوں میں اختلاف کوئی نہیں بلکہ دوسری آیت پہلی کے مطلب کو ہی واضح کرتی ہے۔ پہلی آیت میں صدقہ دینے کے حکم کے ساتھ ہی فرمایا ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا﴾ یعنی اگر نہ پاؤ تو اللہ غفور و رحیم ہے۔ اور دوسری آیت میں بھی یہی بتایا ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ تعالیٰ اس پر گرفت نہیں کرتا۔ چنانچہ ﴿فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا﴾ کے بعد ہے ﴿وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ تو دونوں کا ماحصل ایک ہے۔ جو دینا چاہے دے، دینا افضل ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص نہ دے تو مؤاخذہ اس پر نہیں۔

3313 - ﴿قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ یہودی ہیں اور ان سے دوستی کرنے والے منافق۔ انہیں کا ذکر پچھلے رکوع میں تھا۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

نہ ان کے مال اور نہ ہی ان کی اولاد اللہ کے مقابل پر ان کے کسی کام آئیں گے۔ یہ آگ والے ہیں، وہ اسی میں رہیں گے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو اس کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی بات پر ہیں۔ دیکھو یہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

شیطان نے ان پر قابو پالیا ہے، سو انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہ شیطان کا گروہ ہیں، دیکھو شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں غالب رہوں گا اور میرے رسول۔ اللہ طاقتور غالب ہے۔ (3314)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ

تو ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں (ایسا) نہ پائے گا کہ وہ اس سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس

3314- حق اور باطل کے مقابلہ میں آخر حق غالب آتا ہے۔ گو یہ جدوجہد کتنے عرصہ تک جاری رہے اور **یہی رسولوں کا غالب آنا** ہے کیونکہ وہ حق کو قائم کرنے کے لیے ہی آتے ہیں۔ عرب میں حق محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی غالب آ گیا اور باطل نابود ہو گیا۔ خود دنیا بھی اسی حق کے آگے آہستہ آہستہ سر جھکاتی چلی جا رہی ہے۔

لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اور گو وہ اس کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے کے لوگ۔[3315] انہی کے دلوں کے اندر (اللہ نے) ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے اور وہ انہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، انہی میں رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہے، سنو! اللہ (تعالیٰ) کا گروہ ہی کامیاب ہوگا۔[3316]

3315- **کفار سے موالات:** ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ یہاں صاف بتا دیا کہ اس سے مراد صرف مسلمان ہیں اور ان الفاظ کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی مسلمان کسی کافر سے کسی قسم کا تعلق محبت کا رکھ نہیں سکتا۔ اگر یہ منشا ہوتا تو اہل کتاب کی بیبیوں سے نکاح کی اجازت کیوں دی جاتی جو ﴿جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً﴾ [الروم: 21:30] ''تمہارے درمیان محبت اور رحم پیدا کیا'' کا مصداق ہوں گی۔ بلکہ کفار میں سے یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو ﴿حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ کا مصداق ہیں یعنی دشمنی میں دوسری حد پر چلے گئے ہیں۔ حالت جنگ میں ایک قوم کل کی کل اس کی مصداق ہو جائے گی خواہ اس کے بعض افراد اس حد پر نہ بھی ہو، مگر اس کے علاوہ ہر فرد سے علیحدہ معاملہ اس کی حالت کے مطابق ہوگا۔ اور دوسری طرف لفظ ﴿يُوَآدُّوْنَ﴾ کا استعمال فرمایا ہے اور وَدَّ میں محبت کے علاوہ اس چیز کے ہونے کی خواہش کا پایا جانا ہے۔ [دیکھو نمبر: 137] پس دشمنان اسلام کے ساتھ مودت نہیں ہو سکتی۔ لیکن جو لوگ اسلام کے دشمن نہیں اور اسلام کا استیصال کرنے کے درپے نہیں، ان سے تعلقات محبت یا موالات بھی ہو سکتے ہیں۔

3316- ﴿اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ رُوْحٍ کلام الٰہی کو بھی کہا جاتا ہے اور جبریل کو بھی [نمبر: 111] اور یہاں مراد جبریل ہی ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو کہا تھا [اِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ مَعَكَ] (مسند احمد، حديث البراء بن عازب، حديث:19189) روح القدس تیرے ساتھ ہے اور ایک روایت میں ہے [فَاِنَّ جِبْرِيلَ مَعَكَ] (صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب مَرْجَعِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الأَحْزَابِ وَمَخْرَجِهِ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ وَمُحَاصَرَتِهِ إِيَّاهُمْ، حديث:4124) جبریل تیرے ساتھ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ حضرت جبریل کے ساتھ **مومنوں کی تائید** فرماتا ہے اور یہاں بالخصوص **صحابہ کا ذکر** ہے اور ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ کی سند نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ پاک جماعت انتہائی مراتب قرب الٰہی کو طے کر چکی تھی، ان کو برا کہنے والے اہل تشیع اور ان کو ناقص قرار دینے والے ختم نبوت کے بعد اجرائے نبوت کرنے والے غور کریں۔

اٰیَاتُهَا 24 (59) سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ (101) رُكُوْعَاتُهَا 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ (تعالیٰ) کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جو کافر ہیں اپنے گھروں میں سے پہلی جلاوطنی کے لیے نکالا۔ تم خیال نہ کرتے تھے کہ وہ نکل جائیں اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ (کی سزا) سے بچالیں گے۔ سو اللہ ان پر وہاں سے آیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے ویران کرتے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں سے بھی۔ سو اے بصیرت والو! عبرت حاصل کرو۔ (3317)

سورۃ الحشر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْحَشْرِ ہے اور اسے سورت بَنِي نَضِيْرٍ بھی کہا گیا ہے اور اس میں 3 رکوع اور 24 آیتیں ہیں۔ حشر سے مراد یہاں جلاوطنی ہے اور اس سورت میں بنی نضیر کی جلاوطنی کا ذکر ہے۔ اور یہ گویا ان کی منصوبہ بازیوں اور شرارتوں کی سزا تھی جن کا ذکر پچھلی سورت میں ہے اور یہی وجہ تعلق ہے۔ یہ سورت مدنی ہے اور اس کا نزول چوتھے سال ہجری کا ہے۔ ربیع الاول 4 ہجری میں بنی نضیر کے محاصرہ کا واقعہ پیش آیا اور اس کے ساتھ ہی اس سورت کا نزول ہوا۔

3317 - **بنی نضیر کی جلاوطنی کی وجہ:** آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد قریش مدینہ کے مختلف لوگوں سے ساز باز رکھتے اور اس ذریعہ

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳

اور اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو انہیں دنیا میں عذاب دیتا اور آخرت میں ان کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

سے اسلام کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ جنگ بدر سے پیشتر انہوں نے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا جس میں دھمکی بھی دی کہ اگر وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ نہ کرے گا تو قریش اس پر چڑھائی کریں گے اور عبداللہ تیار بھی ہوگیا۔ مگر نبی کریم ﷺ کو بروقت خبر پہنچ جانے کی وجہ سے اس جنگ کا سدباب ہوگیا۔ پھر قریش نے جنگ بدر کے بعد ایسا ہی ایک خط بنونضیر کو لکھا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بدعہدی کرنی چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا اور کہا کہ تم میرے ساتھ عہد کرو۔ (ایک عہد مدینہ آنے پر ان سے پہلے بھی ہوا تھا مگر اس کے خلاف ان سے افعال سرزد ہونے پر آپ نے تجدید معاہدہ چاہی) مگر انہوں نے انکار کیا۔ پھر آپ بنوقریظہ کے پاس گئے اور یہی مطالبہ ان سے کیا تو انہوں نے عہد کرلیا۔ تب آپ نے بنونضیر کے ساتھ جنگ کی یہاں تک کہ وہ مدینہ کو چھوڑ دینے پر راضی ہوگئے، اس شرط پر کہ جو کچھ مال و اسباب اپنے اونٹوں پر لاد کر لے جاسکیں لے جائیں۔ لیکن دوسری روایات میں اس واقعہ کے جنگ احد کے بعد پیش آنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ اصحاب مغازی کہتے ہیں کہ اصحاب بئر معونہ کے قتل کے بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ اور بئر معونہ کا واقعہ جنگ احد کے بعد کا ہے اور صحیح یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور بنی نضیر کی عداوت کا ذکر یہاں بھی صاف الفاظ میں [آیت:4] میں موجود ہے۔ اور تاریخی طور پر بھی یہ ثابت ہے کہ جنگ احد کے بعد کعب بن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ گیا اور اسلام کی تباہی کے لیے قریش کے ساتھ خانہ کعبہ کے پاس معاہدہ کیا۔ یہی وجہ کعب کے قتل کیا جانے کی تھی۔

یہودیوں کی دوسری جلاوطنی کی طرف اشارہ:

﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ حَشْر کے لیے [دیکھو نمبر: 382]۔ اصل لوگوں کو اپنے گھروں سے نکالنا ہے اور یہاں جلاوطنی پر بولا گیا ہے اور یہ جلاوطنی ملک شام کی طرف تھی۔ کیونکہ یہ لوگ گو کچھ خیبر میں بھی گئے مگر اکثر حصہ ملک شام میں چلا گیا تھا۔ اور اس پر ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ کا لفظ آنا بطور پیشگوئی کے ہے۔ جس میں یہ اشارہ ہے کہ یہودیوں کی ایک اور جلاوطنی بھی ملک عرب سے وقوع میں آنے والی تھی اور یہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں وقوع میں آئی، جب خیبر سے انہیں جلاوطن کرکے ملک شام میں آباد ہونے کی اجازت دی گئی۔ اور بعض روایات میں ارض شام کا نام ارض محشر بھی آتا ہے۔ تو شاید اسی لحاظ سے ہو یا اس لحاظ سے کہ آخری زمانہ میں ملک شام کے اندر بعض واقعات مسلمانوں کو پیش آنے والے تھے۔ اور اگلی آیت میں بتایا کہ یہ جلاوطنی بھی ان کی نرم سزا تھی۔ ورنہ وہ اس سے بھی زیادہ سزا کے مستحق تھے۔

یہ لوگ مضبوط قلعوں میں رہتے تھے اور اس لیے ان کا خیال یہ تھا کہ مسلمان ہمیں نکال نہیں سکتے اور دوسری طرف عبداللہ بن ابی نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے ساتھ مل کر جنگ کریں گے جیسا کہ [آیت:11] میں ذکر ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ سزا دینے میں سخت ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

تم نے جو کھجور کا درخت کاٹا یا اسے اپنی جڑوں پر کھڑا چھوڑا سو اللہ (تعالیٰ) کے اِذن سے تھا اور تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔ (3318)

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶

اور اللہ نے اپنے رسول کو جو اِن سے جو مال غنیمت دلوایا تو تم نے اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے اور نہ اونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط دے دیتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) ہر چیز پر قادر ہے۔ (3319)

اور ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ﴾ سے مراد ان پر اللہ کی سزا کا آنا ہے۔ اور ان کا اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب کرنا اس طرح تھا کہ ایک تو وہ نہ چاہتے تھے کہ یہ جگہ مسلمانوں کے کام آئے اور دوسرے انہیں اجازت تھی کہ جو کچھ ساتھ لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ اس لیے انہوں نے گھروں کو برباد کرنا شروع کیا تاکہ لکڑی وغیرہ ان میں سے نکال کر ساتھ لے جائیں۔ ﴿اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اس لیے فرمایا کہ محاصرہ کرنے میں مسلمانوں کو بھی یہ ضرورت پیش آئی کہ ان کے گھروں کو ویران کریں۔

3318 - ﴿لِّيْنَةٍ﴾ لِيْنٌ نرمی کو کہتے ہیں اور ﴿لِّيْنَةٍ﴾ تر و تازہ کھجور کے درخت کو کہتے ہیں اور کسی ایک نوع سے خاص نہیں۔ (غ)
محاصرہ کی ضرورت کے لیے مسلمانوں نے بعض درخت کھجور کے کاٹ دیئے تھے۔ ان کی نیت برباد کرنا نہ تھا بلکہ کسی آڑ کو دور کرنا تھا۔ اگر محض بربادی کی نیت ہوتی تو کوئی بھی درخت باقی نہ چھوڑتے۔

3319 - ﴿اَفَآءَ﴾ [دیکھو نمبر: 2663] ایسے مال کا ملنا جس میں مشقت نہ ہو اور بعض کے نزدیک فَیْئ کے لفظ میں جس کے معنی سایہ ہیں اسی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کا بیش قیمت مال بھی ایک سایہ کی طرح ہے جو زائل ہو جاتا ہے۔ (غ)

﴿اَوْجَفْتُمْ﴾ وَجِيْفٌ تیز چلنا ہے [اَوْ جَفْتَ الْبَعِيْرَ] کے معنی ہیں اونٹ کو تیز چلایا اور ﴿قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝﴾ [النازعات: 8:79] ''(کچھ) دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔'' میں وَاجِفَةٌ کے معنی پریشان ہیں۔ (غ)

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۘ۝

جو اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے مال غنیمت دلایا تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قریبیوں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر (کے لیے ہے) تاکہ تم میں سے دولت مندوں کے اندر نہ پھرتا رہے۔[3320] اور جو تمہیں رسول دیتا ہے وہ لے لو اور جس سے وہ تمہیں روکتا ہے رک جاؤ اور اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ (تعالیٰ) سزا دینے میں سخت ہے۔[3321]

وقف لازم

﴿رِكَابٍ﴾ رَاكِبٌ تعارف میں اونٹ کے سوار سے مختص ہے اور [رِكَابَ مَرْكُوْبٌ] ہے۔ (غ) یعنی سواری کا اونٹ۔

3320 - **اموال بنی نضیر اور سیدنا عباس اور علی رضی اللہ عنہما کا جھگڑا:** جو حکم مال غنیمت کے پانچویں حصہ کے بارے میں ہے وہی یہاں کل مال فَیٔ کے متعلق ہے [دیکھو نمبر: 1231] اور بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مال اپنے اہل نفقہ کے لیے خاص کر لیا تھا۔ آپ اس میں سے ایک سال کا خرچ اپنے اہل کے لیے لے لیتے، باقی ہتھیاروں، گھوڑوں وغیرہ کی تیاری پر جہاد کے لیے صرف کرتے۔ اور ابوداؤد میں ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک جھگڑا لائے جو اس مال کے متعلق تھا اور اور صحابی بھی وہاں تھے۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا یہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا یا نہیں [لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ] ہم (انبیاء) ورثہ نہیں چھوڑتے جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ پھر فرمایا اموال بنی نضیر سے رسول اللہ ﷺ اپنے عیال کے لیے ایک سال کا خرچ رکھ لیا کرتے تھے اور باقی فی سبیل اللہ صرف کر دیتے تھے۔ آپ نے پھر سب کو قسم دے کر پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا کہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ پھر آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ ان کے خلیفہ ہونے پر سیدنا عباس اپنا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ورثہ طلب کرنے آئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ کیا اور آپ نے فرمایا [وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُ فِيهَا لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ] (صحيح البخاری، كتاب فرض الخمس، باب فَرْضِ الْخُمُسِ: 3094) پھر فرمایا کہ میرے خلیفہ ہونے پر تم پھر آئے تو میں نے تم کو وہ مال اس شرط پر دے دیا کہ اسے اسی طرح پر خرچ کرو جس طرح رسول اللہ ﷺ خرچ کرتے تھے۔ سو اگر تم اس شرط پر قائم ہو تو اس مال کو رکھو ورنہ واپس کر دو اور اس کے خلاف میں ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتا۔

3321 - ﴿مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ پر حکم ایک خاص موقعہ پر ہی دیا جاتا ہے۔ مگر اس کے الفاظ کی عمومیت صاف بتلاتی ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے کل احکام ونواہی آجاتے ہیں۔ پس **عمل بر حدیث کے لیے یہ آیت بھی حجت ہے،** بشرطیکہ اس حدیث

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾

(وہ) مہاجر ناداروں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے ہیں، اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں اور اللہ (تعالیٰ) اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی سچے ہیں۔ (3322)

وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾

اور وہ جو اِن سے پہلے (ہجرت کے) گھر میں رہتے اور ایمان رکھتے تھے وہ اس سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آتا ہے اور اپنے سینوں میں اس کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو انہیں دیا جاتا ہے اور وہ اپنے آپ پر (انہیں) مقدم رکھتے ہیں گو انہیں تنگی ہی ہو۔ اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہوں گے۔ (3323)

کی صحت ثابت ہو۔

3322- ﴿لِلْفُقَرَآءِ﴾ بدل ہے ﴿لِذِی الْقُرْبٰی﴾ سے یعنی ذوی القربیٰ اور یتامیٰ وغیرہ جن کا ذکر پہلی آیت میں گزر چکا۔ ان سب سے مراد غربا ہیں۔ [دیکھو نمبر: 1231]۔

3323- ﴿خَصَاصَةٌ﴾ اِخْتِصَاصٌ۔ خُصُوْصِيَّةٍ عموم کے خلاف ہے یعنی کسی چیز کا کسی بات میں الگ ہونا جس میں دوسرے شریک نہیں۔ اور خَآصَّةً ضد عَآمَّةً ہے۔ ﴿لَا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ [الأنفال: 25:8] ''جو خاص کر ان لوگوں کو نہ پہنچے گا (مگر) جو تم میں سے ظالم ہیں۔'' ﴿وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [آل عمران: 3:73-74] ''اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے۔'' اور فقر کو جس کی کوئی روک نہیں ﴿خَصَاصَةٌ﴾ کہا جاتا ہے۔ (غ)

﴿وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ﴾ سے مراد **انصار ہیں** اور ﴿الدَّارَ﴾ سے مراد دار ہجرت یعنی مدینہ ہے۔ اور ایمان میں جگہ بنانے سے مراد ایمان میں مضبوط ہونا ہے دیکھو [نمبر: 508] اور یا مراد [اَخْلَصُوا الْاِيْمَانَ] یا [لَزِمُو الْاِيْمَانَ] ہے۔ (ر) اور یہاں انصار کی یہ خصوصیت سے تعریف کی ہے کہ وہ باوجود اپنی تنگی کے مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کو شُحّ سے بچنا

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

اور وہ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں ہمارے ربّ! ہماری مغفرت کر اور ہمارے بھائیوں کی جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے لیے جو ایمان لائے حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! تو مہربان رحم کرنے والا ہے۔ (3324)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَ لَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو منافق ہیں وہ اپنے بھائیوں کو جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہتے ہیں اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی کسی کی اطاعت نہ کریں گے۔ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ (تعالیٰ) گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

قرار دیا ہے۔ کیونکہ شُحّ بخل اور حرص کے اکٹھا ہونے کا نام ہے۔ اموال بنی نضیر میں سے انصار کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا سوائے تین کے۔ اس لیے کہ مہاجرین کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے دریافت کیا کہ چاہو تو تم مہاجرین کو اپنے مکانوں میں سے حصہ دے دو اور بنی نضیر کی جگہ سب میں تقسیم کر دی جائے اور چاہو تو یہ جگہ صرف مہاجرین کو دے دی جائے۔ تو انہوں نے عرض کیا ہم اپنے اموال میں سے بھی مہاجرین کو حصہ دیتے ہیں اور اموال بنی نضیر بھی آپ انہی کو دے دیں۔ یہ وہ پاک گروہ تھا جن کے دلوں میں مال **دنیا کی محبت ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی نہ تھی**۔ اس آیت کی تفسیر میں بخاری میں اس شخص کا قصہ لکھا ہے جس کے سپرد رسول اللہ ﷺ نے ایک مہمان کو کیا تو اس کے گھر میں سوائے بچوں کے کھانے کے کچھ نہ تھا تو میاں بیوی نے بچوں کو بھوکا سلا دیا اور آپ چراغ بجھا کر جو کچھ تھا وہ مہمان کو کھلا دیا اور آپ بھی بھوکے رہے اور کھانے کو ہاتھ نہ لگایا۔

3324 - مہاجرین اور انصار کی تعریف کے بعد فرمایا بعد میں آنے والے ان کے لیے دعائے ترقی درجات کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں ان کے لیے کسی قسم کا حسد یا کپٹ نہیں رکھتے۔ **اہل تشیع** اور خوارج اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَ لَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَ لَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اگر انہیں نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر یہ ان کی مدد کریں تو پیٹھ پھیر دیں گے۔ پھر ان کی کوئی مدد نہ ہوگی۔ (3325)

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾

اللہ کی نسبت تمہارا ڈر ان کے دلوں میں بہت زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

یہ اکٹھے (بھی) تم سے نہیں لڑیں گے، سوائے اس کے کہ قلعوں سے محفوظ کی ہوئی بستیوں میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں۔ ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے، تو انہیں اکٹھا سمجھتا ہے اور ان کے دل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ (3326)

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾

(ان کی حالت) ان لوگوں کی حالت کی طرح ہے جو ان سے پہلے قریب ہی اپنے کام کی سزا چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (3327)

3325- ان آیات میں مواعید کا ذکر ہے جو خفیہ طور پر منافقوں نے یہودیوں سے کیے تھے اور انہیں کہا تھا کہ تم مقابلہ پر اڑے رہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اور اس آیت میں فرمایا کہ جو نصرت کی غرض ہے وہ تو بہر حال پوری نہیں ہو سکتی۔

3326- کافر قومیں اب بھی قلعہ گزین ہو کر یا خندقوں میں گھس کر ہی لڑائی کرتی ہیں۔ کھلے میدان میں نکلنے کی جرأت نہیں۔ اس لیے کہ اصل جوہر شجاعت مفقود ہے۔ اور ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ کا مصداق آج بھی عیسائی اقوام نظر آ رہی ہیں۔

3327- مجاہد کہتے ہیں کہ مراد اس سے اہل بدر ہیں۔ مگر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول کہ مراد بنی قینقاع ہیں ترجیح کے قابل ہے۔ یہ بھی مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا اور سب سے پہلے اسی نے اہل اسلام کے ساتھ معاہدہ توڑا اور لڑائی کا فیصلہ کر کے قلعہ گزیں

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

شیطان کی حالت کی طرح، جب وہ انسان کو کہتا ہے کفر کر۔ پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو کہتا ہے میں تجھ سے بے تعلق ہوں۔ میں اللہ جہانوں کے رب سے ڈرتا ہوں۔ (3328)

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع 2 7 5

سو ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ دونوں آگ میں ہیں، اسی میں رہیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ کرو اور ہر نفس غور کرے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، سو اس نے انہیں اپنا آپ بھلوا دیا۔ یہی نافرمان ہیں۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾

آگ والے اور جنت والے برابر نہیں۔ جنت والے ہی بامراد ہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَ

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تُو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا، پھٹا ہوا دیکھتا۔ اور

ہو گئے۔ آخر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد جلاوطنی اختیار کی اور شام میں جا آباد ہوئے۔ یہ بدر سے ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

3328 - پہلی آیت میں مشابہت بنی نضیر کی ہے اور یہاں منافقین کی جو انہیں شیطان کی طرح جھوٹے وعدے دیتے رہے۔

تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ فکر کریں۔(3329)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾

وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بے انتہا رحم والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

وہی اللہ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، غالب، بگڑے کو بنانے والا، سب بڑائیوں کا مالک۔ اللہ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔(3330)

3329- **قرآن کریم کی پہاڑوں کو گرا دینے کی طاقت:** یہ بیان تو بطور مثال ہے جیسا کہ خود فرما دیا۔ مگر قرآن کریم کی مثالیں بھی ایک گہری حقیقت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ ﴿جَبَلٍ﴾ [دیکھو نمبر: 1623] بلحاظ ثبات ایک انسان پر بھی بولا جاتا ہے اور عرب کے اندر ایک کیا ہزار ہا جبال تھے جو اپنے عقائد و اعمال پر ایسے پکے تھے کہ انہیں یہ یہودیوں کی تعلیم توحید اپنی جگہ سے ہلا سکی نہ عیسائیت کا عروج اور اس کی پرزور تبلیغ۔ پانچ سو سال تک ان کی اصلاح پر دو قوموں نے زور لگایا مگر یہود و نصاریٰ کی تبلیغ اگر زبردست آندھی بھی تھی تو عرب کے لوگ پہاڑ تھے جن پر اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ لیکن قرآن نے بیس سال کے اندر ان پہاڑوں کو گرا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور علوم اور اخلاق کے دریا ان سے بہا نکالے۔ ﴿وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ﴾ [البقرة: 74:2] ''اور یقیناً پتھروں میں سے ایسے بھی ہیں جن سے نہریں بہتی ہیں۔''

3330- ﴿الْقُدُّوْسُ﴾ تقدیس کے لیے [دیکھو نمبر: 47] اور ﴿الْقُدُّوْسُ﴾ کے معنی طاہر اور عیوب سے منزہ ہیں اور برکت والا بھی معنی کیے گئے ہیں۔ (ل) یہاں اللہ تعالیٰ کے چند اسمائے حسنیٰ کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ جتنی غلطیاں مذاہب میں لگتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد سے ہی لگتی ہیں۔ بلحاظ اپنی حکومت اور تصرف کے وہ بادشاہ ہے، مگر وہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں۔ کیونکہ وہ ہر نقص سے پاک ہے یا قدوس اور ہر عیب اور آفت سے سلامت یا سلام ہے۔ بلکہ وہ دوسروں کو امن دینے والا اور ان پر نگہبان ہے۔ پھر وہ غالب بھی ہے، مگر ایسا غالب کہ فی الحقیقت سب سے اوپر ہے اور بڑی سے بڑی عظمت اور کبریائی کا مالک ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

وہی اللہ ہے (مادہ کا) پیدا کرنے والا، روح کا پیدا کرنے والا، (مختلف) شکلیں بنانے والا، اسی کے لیے سب اچھے نام ہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی تسبیح کرتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ (3331)

3331- ﴿الْمُصَوِّرُ﴾ تَصْوِيْرٌ کے لیے [دیکھو نمبر: 374] اور ﴿الْمُصَوِّرُ﴾ اسمائے باری میں سے ہے جس نے تمام موجودات کی تصویر بنائی اور انہیں ایک ترتیب دی۔ پس ہر چیز کو خاص صورت اور علیحدہ حقیقت عطا کی جس سے باوجود اس کے اختلاف اور کثرت کے اس کی تمیز کی جاتی ہے۔ (ل)

آریہ سماج کا شرک:

پہلی آیت میں ان اسماء کا ذکر کیا تھا جو قدرت وعظمت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہاں ان اسماء کا ذکر کیا ہے جو ایجاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی اشیاء کو وجود میں لانے سے اور یہاں تین صفات بیان کی ہیں۔ ﴿الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ اور خَالِقٌ و اَلْبَارِئُ کے فرق کے لیے [دیکھو نمبر: 77] یہی فرق ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ﴿الْمُصَوِّرُ﴾ سے مراد مادہ ہے یا مادہ اور روح کی مختلف ترکیبوں سے مختلف صورتیں بنانے والا۔ آریہ سماج والے اللہ تعالیٰ کو صرف ﴿الْمُصَوِّرُ﴾ مانتے ہیں اور اس کے مادہ اور روح کا خالق ہونے سے انکار کرتے ہیں، گویا ان دو صفات کے منکر ہیں۔ اور چونکہ کسی اسم الٰہی کا انکار صریح شرک ہے اس لیے آریہ سماج بھی ایک مشرک فرقہ ہی ہے۔ کامل توحید سوائے اسلام کے کسی کو نصیب نہیں۔ ان اسمائے الٰہی کے انکار کا نتیجہ یہ ہے کہ مادہ اور روح کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود بخود اور ازلی ہونے میں کامل شریک مانتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اگر تینتیس کروڑ دیوتا چھوڑ دیئے تو کیا، دو بڑے خدا بنا لیے۔ صفات الٰہی کا جو کامل اور مکمل نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کسی آسمانی کتاب میں تلاش کرنا عبث ہے۔

اٰیَاتُهَا 13 (60) سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (91) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے مخالفوں اور اپنے مخالفوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کی طرف دوستی کے پیغام دو۔ حالانکہ وہ اس حق کا انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس آیا، وہ رسول کو اور تمہیں نکالتے ہیں اس لیے کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لاتے ہو۔[3332] اگر تم میرے رستہ

سورۃ الممتحنہ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْمُمْتَحِنَةِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 13 آیتیں ہیں اور اس میں مسلمانوں کے کفار کے ساتھ تعلقات پر بحث ہے۔ اور اگر ایک طرف ان کفار سے جو جنگ کرتے ہیں ہر طرح پر ترک موالات کا حکم ہے تو دوسری طرف غیر مسلم جو جنگ نہیں کرتے ان سے احسان کرنے اور انصاف کرنے کا حکم ہے۔ انہی تعلقات باہمی میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب ایسی عورتیں خاوندوں سے الگ ہو کر آ جائیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں تو ان کے متعلق ان کا امتحان لے کر پورا اطمینان کر لینا چاہئے۔ اگر وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہوں تو پھر ان کے تعلقات نکاح پہلے خاوندوں سے قائم نہیں رہ سکتے۔ اسی امتحان سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مدنی ہے، اس کا زمانہ نزول صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہے۔

3332- **حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ:** بخاری میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور زبیر اور مقداد کو بھیجا اور فرمایا کہ روضہ خاخ پر تمہیں ایک عورت اونٹ پر سوار ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا، اسے لے لینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام تھا، جس میں نبی کریم ﷺ کی بعض باتوں کی خبر انہیں پہنچائی گئی تھی۔ دریافت پر حاطب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مہاجرین کے تو سب اہل مکہ میں رشتے ہیں اور میں قریش میں سے نہیں۔ میں نے خیال کیا کہ میں ان سے کوئی احسان کر چھوڑوں تاکہ وہ میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں اور میں نے یہ کفر و ارتداد سے

خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَ مَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

میں جہاد کے لیے اور میری رضا کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے ہو، تم چھپ کر انہیں دوستی کے پیغام دیتے ہو۔ اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ يَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ؕ②

اگر وہ تمہیں پالیں تو تمہارے دشمن ہوں اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں تم پر بدی کے ساتھ چلائیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر بن جاؤ۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

مُعَانَقَة 16

السباع الوقف القیمة 12

تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد قیامت کے دن تمہیں نفع نہ دیں گے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔

نہیں کیا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ حاطب نے سچ کہا ہے۔ اور عمرو بن دینار نے جو اس حدیث کا پہلا راوی ہے کہا یہ آیت اسی کے بارہ میں نازل ہوئی۔

اسلام کے دشمنوں سے دوستی کی ممانعت:

یہ واقعہ فتح مکہ سے پیشتر کا ہے اور حاطب نے قریش کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مکہ پر چڑھائی کرنے کے ارادہ کی خبر دی تھی۔ یہ واقعہ بھی اسی آیت کے ماتحت آتا ہے، مگر اس قسم کی ہدایات ہر زمانہ میں مسلمانوں کے لیے بکار ہیں۔ کیونکہ اسلام کی دشمنی کا سلسلہ ختم نہیں ہوگیا۔ اور جو لوگ مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نکالتے ہوں اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، تو ایسے لوگوں سے تعلقات محبت قائم کرنا مسلمان کا کام نہیں، کھول کر اس مضمون کو دوسرے رکوع میں بیان کیا ہے۔ یہاں اور پھر اگلی آیت میں کفار کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے کہ وہ جلاوطنی، قتل، قید، بدزبانی ہر طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے تیار ہیں اور وہ راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ اسلام کا نام مٹا کر ان چند نفوس کو بھی کافر نہ بنالیں جو مسلمان ہو چکے تھے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴

تمہارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے اچھا نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم تم سے بے تعلق ہیں اور اس سے جس کی تم اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہو۔ ہم تم سے بیزار ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بیر ہمیشہ کے لیے ظاہر ہو گیا، یہاں تک کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ۔ مگر ابراہیم کا اپنے بزرگ کو یہ کہنا کہ میں تیرے لیے بخشش مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے تیرے لیے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے ربّ! ہم نے تجھ پر بھروسا کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری طرف انجام کار پھر کر آنا ہے۔ (3333)

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵

اے ہمارے ربّ! ہمیں ان لوگوں (کے ہاتھ) سے جو کافر ہیں دکھ نہ پہنچا اور اے ہمارے رب! ہماری حفاظت فرما۔ تو غالب حکمت والا ہے۔ (3334)

3333- ﴿كَفَرْنَا بِكُمْ﴾ كَفَرَ بعض وقت بَرَاءَةٌ بھی آتا ہے یعنی کسی چیز سے بے تعلق یا بیزاری۔ ﴿اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ﴾ [إبراهيم: 22:14] ''میں اس کا انکار کرتا ہوں جو تم نے پہلے مجھے شریک بنایا۔'' (ل) اور ﴿الْكَوَافِرِ﴾ [10] كَافِرَةٌ کی جمع ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ پیش کیا ہے کہ جب ان کی قوم کی دشمنی اور نفرت ان کے ساتھ علی الاعلان ظاہر ہو گئی تو وہ بھی قوم سے الگ ہو گئے۔ اور ابّ کو مستثنیٰ رکھنا شاید اس وجہ سے ہو کہ وہ اسے ایسا دشمن نہ سمجھتے تھے کیونکہ دوسری جگہ ہے ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ [التوبة: 114:9] ''پھر جب اس پر کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے وہ اس سے الگ ہو گیا۔'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہاں صرف اس امر میں بطور نمونہ پیش کیا ہے کہ باوجود حد درجہ کے حلم کے انہیں بھی آخر اعدائے دین سے قطع تعلق کرنا پڑا۔ کیونکہ خدا کی محبت کے سامنے آخر سب محبتوں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

3334- بخاری میں مجاہد سے ہے [لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لَا تُعَذِّبْنَا بِأَيْدِيهِمْ] یعنی ہمیں ان کے ہاتھوں سے عذاب نہ دے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶ ع 1 6 7

یقیناً تمہارے لیے ان میں اچھا نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ (کے سامنے جانے) اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہے اور جو کوئی منہ پھیر لیتا ہے تو اللہ ہی بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷

قریب ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن کے ساتھ ان میں سے تمہاری دشمنی ہے محبت پیدا کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ (تعالیٰ) بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (3335)

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸

اللہ تمہیں ان سے نہیں روکتا جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان سے احسان کرو اور ان سے انصاف کرو۔ اللہ (تعالیٰ) انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ (3336)

3335- **قریش کے اسلام لانے کی پیشگوئی:** یہ پیشگوئی صاف بتاتی ہے کہ ان کفار کی تباہی ہونے والی نہیں تھی۔ بلکہ اصلاح ہو کر آخر وہی مسلمانوں کے دوست بننے والے تھے۔

3336- **کفار سے احسان اور انصاف کی تعلیم:** یہ آیت اور اس سے اگلی آیت کفار سے تعلقات کے متعلق بطور اصول محکم ہیں۔ اور جہاں جہاں کفار سے موالات یا عدم موالات کا ذکر آتا ہے اس کے حل کرنے کی یہی کنجی ہے۔ کفار کے ساتھ بڑے بڑے احسان بھی ہو سکتے ہیں، انصاف کا معاملہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ اس آیت میں بتایا۔ بشرطیکہ وہ مسلمانوں سے دین کی وجہ سے جنگ نہ کرتے ہو، نہ مسلمانوں کو دین کی وجہ سے گھروں سے نکالتے ہو۔ جو احسان کا مستحق ہے اس سے احسان کرنا چاہئے اور جو انصاف کا مستحق ہے اس سے انصاف کرنا چاہئے۔ اہل عرب کے کتنے قبیلے کافر تھے جیسے خزاعہ، بنی الحرث، کنانہ، مزینہ وغیرہ جن سے نبی کریم ﷺ کے معاہدات تھے اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس میں کفار کی عورتوں اور بچوں کو شامل کیا ہے۔ وہ لوگ ظالم ہیں جو اسلام کی تعلیم کو تنگدلی کی تعلیم قرار دیتے ہیں۔ کفار کے ساتھ انصاف ہی نہیں حسن سلوک کی تعلیم عملی رنگ میں اگر دی ہے تو اسلام نے دی ہے۔ یہ اگر آزاد کافر قوموں کے لیے ہے تو ذمیوں کے حقوق تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹

اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں (دوسروں کی) مدد کی۔ اور جو ان سے دوستی کرتے ہیں تو وہی ظالم ہیں۔ (3337)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَ لْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کرتی ہوئی آئیں تو ان کا امتحان لے لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ پھر اگر تم انہیں مومنہ جانو تو انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔ نہ وہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ ان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ اور جو انہوں نے خرچ کیا ہے انہیں دے دو اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کرو، جب تم انہیں ان کے مہر دے دو۔ اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روک رکھو اور تم طلب کرو جو تم نے خرچ کیا ہے اور وہ طلب کریں جو انہوں نے خرچ کیا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ (3338)

3337- **ترک موالات:** اگر یہ ہدایت نہ دی جاتی تو مسلمان زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں، ان سے دوستی اپنی قوم سے کھلی دشمنی ہے۔ آج جب دو قوموں میں جنگ ہوتی ہے تو کیا کوئی مہذب قوم اپنی قوم کے افراد کو ایسی قوم کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنے یا کاروبار کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ اسلام کی تعلیم اصول صحیحہ پر مبنی ہے۔ اس آیت نے صاف بتا دیا کہ ترک موالات کلی طور پر صرف جنگ کرنے والی قوم کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

3338- ﴿بِعِصَمِ﴾ عِصْمَةٌ کی جمع ہے یعنی ان کا عقد نکاح۔ کیونکہ [عِصْمَةُ النِّكَاحِ] کے معنی [عَقْدَةُ النِّكَاحِ] ہیں۔ (ل)

وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

اور اگر تمہاری عورتوں (کے مہروں) سے کچھ تم سے نکل کر کافروں کی طرف چلا گیا ہے، پھر تمہاری باری آئے تو ان لوگوں کو جن کی عورتیں چلی گئی ہیں اس کی مثل دے دو جو انہوں نے خرچ کیا ہے اور اللہ کا تقویٰ کرو، جس پر تم ایمان لائے ہو۔ (3339)

عورتوں کی مکہ سے ہجرت:

یہ سورت صلح حدیبیہ کے بعد کے زمانہ کی ہے اور جو عورتیں اسلام لا کر مکہ میں تکلیف اٹھاتی تھیں وہ ہجرت کر آتی تھیں۔ کیونکہ شرائط صلح صرف مردوں پر حاوی تھیں اور کفار کی اصل غرض یہی تھی کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت نہ بڑھ جائے۔ تو ان عورتوں کے بارے میں پہلے یہ حکم دیا ہے کہ ان کا امتحان لے لیا کرو۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ امتحان یوں تھا کہ عورت کا حلفی بیان لے لیا جاتا کہ نہ وہ خاوند کے بغض کی وجہ سے نکلی ہے اور نہ صرف ایک زمین کو چھوڑ کر دوسری زمین میں جانے کے لیے اور نہ دنیا کی کسی غرض کے لیے، بلکہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے۔ (ج) اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ان عورتوں کا امتحان بیعت سے لیتے تھے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ﴿لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ (ج) اور درست یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں باتیں ہوتی تھیں۔

مہاجر عورتوں سے نکاح کی شرط:

چونکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے ناجائز تھا، اس لیے ایسی عورتوں سے جو کافر خاوندوں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں مسلمانوں کو نکاح کرنے کی اجازت دی، مگر دو شرطیں ساتھ لگائیں۔ اول یہ کہ کافر خاوندوں نے جو مہر ان کو دیئے تھے وہ انہیں واپس کیے جائیں اور دوسری یہ کہ اس بی بی کو بھی مہر دیا جائے۔ کفار کے ساتھ یہ معاملہ کہ مہر انہیں واپس کر دو، اسلام کی تعلیم میں کمال انصاف کو ظاہر کرتا ہے۔ اور پھر جس طرح یہ کہا کہ مسلمان عورتیں اگر کفار کے گھروں سے نکل آئیں تو نکاح باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح مسلمانوں کو حکم دیا کہ جو عورتیں اپنے کفر و شرک پر قائم ہیں انہیں تم قید نکاح میں نہ روک رکھو، اور یہاں كَوَافِرِ سے مراد یہی مشرک عورتیں ہیں۔ ورنہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

3339- ﴿عَاقَبْتُمْ﴾ عُقْبَةٌ کے معنی نوبت یا باری ہیں اور [عَاقَبْتَ الرَّجُلَ] کے معنی ہیں کسی کام میں اسے آرام دیا اور دوسرے نے اپنی باری لی۔ اور اَعْقِبْ اور عَاقِبْ دونوں کے معنی ہیں تو اونٹ سے اتر جا، تاکہ میں اپنی باری لوں۔ (ل) اور یہی معنی یہاں ہیں۔ مگر بعض مفسرین نے یہاں عَاقَبْتُمْ کے معنی غَنِمْتُمْ لیے ہیں یعنی تم کوئی مال غنیمت حاصل کرو۔ (ل) اور صورت اول میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح کسی مسلمان کی بی بی کافر تھی اور وہ علیحدہ ہوگئی، اسی طرح تمہاری باری آجائے گی اور کسی کافر کی بی بی مسلمان ہو کر آجائے تو جو مہر کفار کی طرف لوٹانا تھا اسے اس مسلمان کو دے دو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

اے نبی! جب تیرے پاس مومن عورتیں آئیں تجھ سے بیعت کریں اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ کسی اچھی بات میں تیری نافرمانی کریں گی، تو ان سے بیعت لے لے اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ۔ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (3340)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع 2 7 8

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان سے دوستی مت کرو جن پر اللہ ناراض ہوا ہے۔ وہ آخرت سے ایسے ہی ناامید ہیں جیسا کہ کافر قبروں والوں (کے جی اٹھنے) سے ناامید ہیں۔ (3341)

3340- فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہی الفاظ میں **عورتوں سے بیعت** لی تھی۔ انہی میں ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی بی بی بھی تھی جو درمیان میں بعض باتیں بھی کہتی جاتی تھیں اور عورتوں کی بیعت کے متعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہاتھ میں ہاتھ نہ لیتے تھے۔ (ج) اور احمد، ترمذی وغیرہ کی روایات میں بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ عورتوں سے مصافحہ نہ کرتے تھے جس طرح مردوں سے کرتے تھے۔ اور شعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو اپنے ہاتھ پر کپڑا رکھ لیتے تھے۔ (ر) ممکن ہے کہ دونوں طرح آپ نے بیعت لی ہو۔ اور ﴿لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ﴾ سے یہ مراد لی گئی ہے کہ عورتیں جاہلیت میں فرضی حمل قرار دے کر خاوندوں کو دھوکہ دے لیا کرتی تھیں۔ مگر اس کے معنی محض بہتان باندھنے کے بھی ہو سکتے ہیں اور یَدٌ اور رِجْلٌ ذات سے کنایہ ہیں۔ کیونکہ زیادہ تر افعال انہیں سے کیے جاتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ اپنے دلوں میں بہتان نہ بنائیں، کیونکہ دل کا مقر بھی ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ہے۔ (ر)

3341- عملاً تو یہود و نصاریٰ دونوں کی یہ حالت ہے کہ آخرت پر ان کا ایمان کچھ نہیں۔ صرف دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ مگر یہودیوں میں بالخصوص ایک فرقہ بھی ایسا ہے یعنی **صدوقی** جو آخرت کے عقیدتاً بھی منکر ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

اللہ کے نزدیک یہ سخت بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

اللہ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کے رستے میں صف باندھ کر جنگ کرتے ہیں، گویا کہ وہ مضبوط دیوار ہیں۔ (3342)

سورۃ الصّف

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلصَّفِّ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 14 آیتیں ہیں۔ اس سورت کا اصل مضمون غلبۂ دین اسلام ہے جو اسے تمام مذاہب پر حاصل ہوگا۔ مگر اس کے لیے بتایا کہ مسلمانوں کو بڑی بڑی قربانیاں کرنی چاہئیں۔ یہاں تک کہ ضرورت ہو تو خدا کے رستے میں مستحکم دیوار کی طرح کھڑے ہو کر جنگ بھی کریں۔ اور دوسری طرف عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح دین اسلام کو لے کر دنیا میں نکل جائیں، کیونکہ یہی غلبہ کی اصل راہ ہے۔ یہ سورت مدنی ہے، اس کی تاریخ نزول کے تعیین کے لیے کوئی یقینی واقعات نہیں، مگر غالباً ابتدائی مدنی زمانہ کی ہی ہے۔

3342۔ ﴿مَّرْصُوْصٌ﴾۔ [رَصَّ الْبُنْيَانَ] دیوار کو پختہ کیا اور مضبوط کیا اور اس کے بعض کو بعض سے ملایا اور ایسی دیوار ﴿مَّرْصُوْصٌ﴾ ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے [تَرَاصُّوْا فِي الصُّفُوْفِ] (المعجم الصغير- الطبرانی، باب الجيم من اسمه جعفر) یعنی

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو اور تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ سو جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے ہی رہنے دیئے اور اللہ (تعالیٰ) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اس کی تصدیق کرتا ہوں جو میرے سامنے توریت سے ہے اور ایک رسول کی خوش خبری دیتا ہوا جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔ سو جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ صریح جادو ہے۔ (3343)

نماز کی صفوں میں ایک دوسرے سے مل کر رہو۔ اور رَصَاصٌ سیسہ کو کہتے ہیں۔ (ل)

پہلی آیتوں میں ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے اظہار ناراضگی فرمایا ہے جو منہ سے کہہ دیتے ہیں مگر کرتے نہیں۔ اور یہاں بتایا کہ اللہ تعالیٰ محبت تو اس سے کرتا ہے کہ جب اس نے ایک بات منہ سے نکالی تو پھر اپنے دوسرے بھائیوں سے مل کر حفاظت دین میں ایک مضبوط دیوار کی طرح کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان پر تیر اور تلواریں اس طرح پڑتی ہیں جیسے دیوار پر۔ قول جو عمل میں نہیں آتا وہ کہنے والے کو اللہ تعالیٰ کے غضب کا محل بنا دیتا ہے اور جب کہنے والا اس کے عمل میں لانے کے لیے اپنی جان بھی حاضر کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے بارہا بنیان مرصوص کا نقشہ جنگ میں دکھایا اور بالخصوص جنگ احد میں جب نبی کریم ﷺ کے گرد صحابہ کی ایک دیوار قائم ہوگئی اور بعض صحابہ دشمن کی طرف پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے کہ تیر سامنے آتا ہوا دیکھ کر جگہ سے نہ ہل جائیں۔ اس گروہ کے اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونے پر یہ آیت نص قطعی ہے۔ اگلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جس ایذا کا اپنی قوم کے ہاتھوں سے ذکر کرتے ہیں وہ ان کا انکار جنگ ہی تھا اور وہاں بھی انہیں قوم فاسق ہی قرار دیا ہے۔ ﴿فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [المائدۃ: 26:5] ''سو تو ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کر۔''

3343۔ ﴿اَحْمَدُ﴾۔ یہاں ﴿اَحْمَدُ﴾ میں اشارہ ہے نبی ﷺ کی طرف آپ کے نام اور آپ کے کاموں کے ساتھ۔ اور اس بات پر تنبیہ

ہے کہ جیسے آپ کا نام احمد ہے اسی طرح آپ اپنے اخلاق اور احوال میں محمود ہوں گے۔ اور لفظ احمد کو عیسیٰ کی بشارت سے خاص کیا۔ اس بات کے جتانے کے لیے کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر قابل حمد ہیں۔ (غ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی شخص نہیں گزرا جس کا نام احمد رکھا گیا ہو سوائے اس کے جو بیان کیا جاتا ہے کہ خضر علیہ السلام کا یہ نام تھا۔ (ت) اور محمد تحمید سے ہے گویا کہ اس کی بار بار تعریف کی جاتی ہے۔ (ل) اور لفظ احمد یا تو مضارع متکلم سے منقول ہے اور یا حامدیت سے افعل التفضیل ہے، یعنی بہت حمد کرنے والا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ محمودیت سے ہو یعنی بہت زیادہ قابل حمد۔ (ر) اور یہ اسم **جلیل ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم ہے** جیسا کہ حسان رضی اللہ عنہ کے شعر میں ہے:[صَلَّى الإِلَهُ وَمَنْ يَحُفُّ بِعَرْشِهِ ... وَالطَّيِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَكِ أَحْمَدِ]

حضرت عیسیٰؑ کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جس بشارت کا یہاں ذکر ہے وہ انجیل کے محرف مبدل ہونے کے باوجود اب تک اس میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ذیل کے مقامات پر یہ پیش گوئی ہے۔

① ''اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔'' [یوحنا: 14-16]

② ''لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔'' [یوحنا: 15-26]

③ ''اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔'' [یوحنا: 16-7]

④ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔'' [یوحنا: 16-13]

روح القدس اس پیشگوئی کا مصداق نہیں: جس لفظ کا ترجمہ یہاں مددگار کیا گیا ہے وہ یونانی میں پیراکلیٹ ہے اور بائبل کے پہلے اردو ترجموں میں اس کا ترجمہ تسلی دینے والا کیا گیا ہے۔ اور ترمیم شدہ ترجموں میں مددگار کا لفظ اختیار کر کے حاشیہ میں وکیل یا شفیع کا لفظ دیا گیا ہے۔ یعنی اس کا ترجمہ وکیل یا شفیع بھی ہو سکتا ہے۔ عیسائیوں کو اس پیشگوئی کے بارے میں بہت مشکلات پیش آئی ہیں۔ اس لیے کہ جب اس کا مصداق آیا تو انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ اس دوسرے تسلی دینے والے سے مراد روح القدس ہے جو عیسائیوں کے نزدیک خدائی کا تیسرا اقنوم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس دوسرے شفیع کو روح القدس اور سچائی کی روح بھی کہا گیا ہے مگر اس ساری پیشگوئی میں کھلے قرائن موجود ہیں کہ اس سے مراد وہ روح القدس نہیں جو عیسائیوں کی خدائی کا تیسرا اقنوم ہے۔

اول: اسے دوسرا مددگار یا شفیع کہا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کا ہی شفیع یا مددگار ہے یعنی بصورت انسان۔

دوم: پیشگوئیوں میں انتظار ایک نبی کا تو پایا جاتا ہے جیسا کہ [استثنا: 18-18] کی پیشگوئی کا انتظار حضرت مسیح کے وقت تک پایا

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتا ہے

جاتا ہے۔ یعنی مثیل موسیٰ نبی کے آنے کی پیشگوئی۔ لیکن روح القدس کے آنے کی کوئی پیشگوئی بائبل میں کہیں نہیں۔

سوم: اس کے متعلق لکھا ہے کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ تمہارے پاس نہ آئے گا۔ اب روح القدس کے متعلق یہ کسی صورت میں نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے سے اس کا آنا وابستہ تھا۔ کیونکہ روح القدس کا نزول پہلے بھی انبیاء پر ہوتا رہا۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی، حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بپتسمہ لینے کے وقت روح القدس کا نزول ہوا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے سے جس شفیع کا آنا وابستہ ہے وہی موعود نبی ہے جس کا ذکر [استثنا: 18-18] میں ہے۔ یہ قطعی دلیل ہے اس بات پر کہ یہاں روح القدس کے نزول کی پیشگوئی نہیں۔

چہارم: اس کے متعلق صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اب روح القدس کہاں سے سنے گا؟ اگر نبی کی پیشگوئی اسے مانیں تو بات صاف ہے کہ نبی جو کچھ اللہ تعالیٰ سے سنتا ہے وہی کہتا ہے، مگر روح القدس کہیں سے نہیں سنتا۔ وہ خود خدائی اقنوم کا ثالث ہے۔

پنجم: وہ باتیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ اس قوم میں ان باتوں کی برداشت نہیں، وہ دوسرا شفیع آ کر کہے گا۔ روح القدس نے نہ کوئی ایسی باتیں کہیں نہ کہہ سکتا تھا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رخصت ہوتے ہی ان کی قوم میں کوئی نئی طاقت پیدا ہو گئی تھی۔

ششم: اس کے متعلق صاف لکھا ہے کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا، اور آئندہ کی خبریں دینے والے کو لغت میں نبی کہتے ہیں۔ پس صاف معلوم ہوا کہ یہ نبی کی پیشگوئی ہے۔ روح القدس نے کوئی آئندہ کی خبریں عیسائیوں کو نہیں دیں اور نہ آج عیسائیوں میں سے کوئی ایسا شخص پایا جاتا ہے جو روح القدس کے اثر سے آئندہ کی خبریں دے سکے۔ لیکن مسلمانوں میں بطفیل متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خبریں دینے والے آج بھی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: اگر یہ پیشگوئی روح القدس پر صادق نہیں آتی تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت صفائی سے صادق آتی ہے۔ آپ ابد تک ہمارے ساتھ ہیں۔ اس لیے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ کی نبوت کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی گواہی اس وقت دی جب دنیا انہیں رد کر رہی تھی۔ آپ کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے سے وابستہ تھا۔ آپ نے سچائی کی تمام راہیں دکھائیں۔ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ [المائدۃ: 3:5] ''آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے کامل کر دیا۔'' آپ جو کچھ سنتے تھے وہی کہتے تھے۔ ﴿وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ [النجم: 3-4:53] ''اور نہ خواہش نفس سے بولتا ہے۔ یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔'' آپ نے آئندہ کی خبریں دیں اور آج تک آپ کی آئندہ کی خبریں پوری ہو کر آپ کی صداقت کی شہادت دے رہی ہیں۔ رہا یہ کہ اس آنے والے کو روح القدس یا روح حق کہا گیا ہے تو یہ بلحاظ اس کے تقدس اور اس کے حق

الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷

اور اسے اسلام کی طرف بلایا جائے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔(3344)

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸

چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں (کی پھونکوں) سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔گو کافر برا منائیں۔(3344)

ہونے کے ہے اور قرآن کریم نے بھی رسول اللہ ﷺ کو الحق ہی کہا ہے۔﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ﴾[بنی اسرائیل: 81:17] ''کہہ حق آ گیا۔'' پھر روح القدس نے کبھی نہ کہا کہ وہ مسیح کی اس پیشگوئی کا مصداق ہے۔مگر قرآن نے صاف طور پر اس پیشگوئی کو آنحضرت ﷺ پر لگایا جیسا کہ اس آیت میں ہے یا جیسا کہ ﴿يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾[الاعراف: 157:7] ''وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' میں۔ یا جیسا کہ اس حدیث میں [أَنَا دَعْوَةُ أَبِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَ بِشَارَةُ عِيْسٰى] (المستدرك على الصحيحين للحاكم، تفسير سورۂ احزاب) میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت۔

احمد کا لفظ اختیار کرنے کی وجہ: اب صرف ایک بات رہ جاتی ہے کہ قرآن شریف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے احمد کے آنے کی خوشخبری دی تھی اور اناجیل میں کچھ اور الفاظ ہیں۔تو اصل بات یہ ہے کہ ترجمہ میں ایک لفظ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔جیسا کہ موجودہ تراجم سے بھی ظاہر ہے۔پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل انجیل جو ارمی یا عبرانی میں ہو گی کہیں دنیا میں موجود نہیں،تو ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا لفظ بولا تھا۔سوائے اس کے کہ قرآن کی شہادت کو قبول کریں اور وہ شہادت احمد پر ہے۔اور احمد آنحضرت ﷺ کا اسم علم تھا اور حدیث صحیح میں آپ نے خود فرمایا ہے کہ [أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ](صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب: قَوْلُهُ تَعَالٰى مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ، حديث: 4896) اور احمد کا لفظ یہاں اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا جمالی نام ہے۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ جمالی صفت کے مظہر ہی تھے اس لیے وہی نام ان کی بشارت میں ہونا لازمی تھا۔

3344۔**اتمام نور سے مراد:** یہ عیسائیوں کا ذکر ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں کہ اس نے یہ تعلیم بھیجی تھی کہ خدا تین ہیں اور کہ عیسیٰ مسیح بھی خدا ہے۔حالانکہ انہیں اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور آگے بھی انہی کوششوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اللہ کے نور کو بجھانے کی کوششیں کریں گے مگر اللہ اس اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر چھوڑے گا اور وہ کمال تک پہنچانا صرف تکمیل دین نہیں بلکہ دین اسلام کو کل دینوں پر غالب کرنا ہے۔

3344ا۔﴿يُطْفِـُٔوْا﴾۔[طَفِئَتِ النَّارُ]آگ بجھ گئی۔اِطْفَأْتُهَا میں نے اسے بجھا دیا۔﴿لِيُطْفِـُٔوْا﴾ میں اشارہ ہے کہ ایسے وسائل کا

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝٩ ع 1/9 9

وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ اگرچہ مشرک برا منائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝١٠

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میں تمہیں ایسی تجارت بتاتا ہوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے۔ (3345)

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝١١

تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١٢

وہ تمہارے گناہوں سے تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور پاکیزہ مکانوں میں جو ہمیشگی کے باغوں میں ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٣

اور ایک اور چیز جسے تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور نزدیک فتح، اور مومنوں کو خوش خبری دے۔ (3346)

قصد کرتے ہیں جن سے اس نور کو بجھا دیں۔ (غ)

3345۔ ﴿تِجَارَةٍ﴾۔ راس المال میں تصرف ہے تاکہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ (غ) اور یہاں تجارت اللہ اور رسول پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے، کیونکہ انسان کے قوائے روحانی بھی ایک راس المال کا حکم رکھتے ہیں۔ سو جو شخص انہیں ایسے طریق پر کام میں لاتا ہے کہ ان سے فائدہ اٹھائے تو وہ بھی گویا ایک قسم کی تجارت ہی کرتا ہے۔

3346۔ اوپر چونکہ نعمائے جنت کا تذکرہ کیا تھا اس لیے یہاں ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾ میں اس دنیا کی کامیابیوں کا ذکر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع 2 5 10

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ، جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا، اللہ (کے رستے) میں کون میرے مددگار ہیں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں۔ سو بنی اسرائیل سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کیا۔ سو ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی۔ سو وہ غالب ہو گئے۔ (3347)

3347۔ **نصرت دین بذریعہ اشاعت:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جنگ نہیں کی، اس لیے یہاں انصار اللہ ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت بذریعہ اشاعت ہے۔ اور مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ان کی کامیابی بھی اسی میں ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اپنے دین کو لے کر مختلف ملکوں میں نکل گئے تھے اسی طرح مسلمان بھی دین اسلام کو دنیا کے اطراف و اکناف میں پہنچا دیں۔ گویا ابتدائے سورت میں اگر یہ بتایا تھا کہ مسلمان کہلا کر اگر ضرورت ہو تو دین اسلام کی خاطر سر کٹوانے کے لیے بھی تیار رہو۔ اور آخر پر بتایا کہ دین کا غلبہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ اسے اطراف و اکناف عالم میں پہنچاؤ۔ شاید اس پچھلے زمانہ کی زیادہ تر ضرورت بھی یہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دونوں حکموں کی تعمیل کی اور توحید کو لے کر تمام دنیا میں پھیل گئے۔ مگر آج اسلام ساری دنیا میں بدنام ہو رہا ہے اور ان کے نام لیوا ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے بھی گھروں سے نکلنے کا نام نہیں لیتے۔

اٰيَاتُهَا 11 (62) سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (110) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱	اللہ کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (جو) بادشاہ پاک غالب حکمت والا (ہے)۔
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲	وہی ہے جس نے امیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔

سورۃ الجمعہ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْجُمُعَةِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 11 آیتیں ہیں۔ اصل مضمون اس سورت کا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی اب تا قیامت دنیا کے معلم اور مزکی رہیں گے اور جس قدر علم دنیا میں پھیلے گا اور جس قدر لوگوں کا تزکیہ ہوگا آپ کی شاگردی سے ہی پھیلے گا اور ہوگا۔ اور چونکہ مسلمانوں میں تعلیم اسلامی کو زندہ رکھنے کے لیے جمعہ کے دن اجتماع نہایت ضروری ہے اس لحاظ سے اس سورت میں نماز جمعہ کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے اور اسی پر اس سورت کا نام ہے۔ گویا اصل غرض تو یہ ہے کہ تعلیم اسلام ہی دنیا میں زندہ رہے گی اور اس کی زندگی کے سامانوں میں سے جو ایک عظیم الشان سامان تھا اس کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے اور اسی پر سورت کا نام ہے۔ پچھلی سورت میں مسلمانوں کو بتایا تھا کہ دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں کیونکہ یہی دین سب دینوں پر غالب آئے گا۔ یہاں بتایا کہ آنحضرت ﷺ کی شاگردی سے ہی اب دنیا کی پیاس بجھ سکے گی۔ یہ سورت مدنی ہے اور اس کا نزول بھی ابتدائی مدنی زمانہ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۳

اور ان میں سے اوروں کو بھی جو ابھی ان کو نہیں ملے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ (3348)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝۴

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) بڑے فضل والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ

ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بوجھ ڈالا گیا، پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا، گدھے کی مثال کی طرح ہے (جو) کتابیں اٹھاتا ہے۔ کیا ہی بری مثال ان لوگوں کی

3348۔ ﴿وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ﴾۔ عطف ﴿اُمِّیّٖنَ﴾ پر ہے یا ﴿یُعَلِّمُهُمُ﴾ میں ضمیر منصوب پر یعنی [وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ یُعَلِّمُ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ] اور یہ وہ لوگ ہیں جو صحابہ کے بعد آئے اور تعلیم کا سلسلہ جو یوں آخر زمانہ تک چلے گا تو وہ سب کا سب اول کی طرف ہی منسوب ہوگا۔ (ر) اور ابن جریر نے دو قول نقل کیے ہیں ایک یہ کہ یہ اعاجم ہیں اور دوسرا یہ کہ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو بعد نبی ﷺ قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے، خواہ کوئی ہوں۔ اور بخاری میں پہلے قول کی تائید میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے تو آپ پر سورۂ جمعہ نازل ہوئی تو میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ﴿وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ﴾ میں کن کا ذکر ہے؟ تو آپ نے تین دفعہ سوال دہرانے پر اپنا ہاتھ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا پر ہوتا تو ان میں سے آدمی اس تک پہنچ جاتے یا ایک آدمی پہنچ جاتا۔ اور حدیث کا منشا یہ نہیں کہ ﴿اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ﴾ صرف فارسیوں میں سے ایک یا چند آدمی ہیں، بلکہ یہ آخرین کی مدح کے طور پر فرمایا ہے کہ وہ دوسرے لوگ جنہوں نے براہِ راست مجھ سے تعلیم نہیں پائی بلکہ وہ بعد میں آئیں گے اور میری تعلیم سے فائدہ اٹھائیں گے تو ان میں ایسے ایسے کامل الایمان لوگ بھی ہوں گے۔ اور یوں ﴿اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ﴾ میں کل امت صحابہ کے بعد اول سے لے کر آخر تک شامل ہے۔ گویا ایک تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں جن کی تعریف قرآن شریف میں بار بار آ چکی اور ایک آخرین ہیں ان کی تعریف میں آنحضرت ﷺ نے یہ لفظ فرمائے کہ ان میں بھی بڑے بڑے کامل الایمان لوگ ہوں گے۔ اور یہ آیت نص صریح اس بات پر ہے کہ **آنحضرت ﷺ کے بعد دوسرا نبی نہیں آ سکتا** اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہو تو پھر ﴿اٰخَرِیْنَ﴾ کے معلم نبی کریم ﷺ نہ ہوں گے بلکہ وہ نبی ہوگا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔ کیونکہ نبی براہ راست اللہ تعالیٰ سے بوساطت جبریل تعلیم حاصل کرتا ہے۔ وہ کسی نبی کا شاگرد نہیں ہوتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو خود قرآن شریف میں شہادت موجود ہے کہ انہوں نے تعلیم براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کی آنحضرت ﷺ سے نہیں کی۔ ﴿وَ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ

اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵

ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ (تعالیٰ) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (3349)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶

کہہ اے لوگو جو یہودی ہو! اگر تم سمجھتے ہو کہ اور لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔ (3350)

وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷

اور کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ ع 1 8 11

کہہ، موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں مل کر رہے گی، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ سو وہ تمہیں اس کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے۔ (3351)

الْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾ [آل عمران: 48:3] ''اور وہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔''

3349۔ توریت کا بوجھ ڈالنے سے مراد اس پر عمل کے لیے مکلف کیا جانا ہے اور نہ اٹھانے سے مراد ان کا اس پر عمل نہ کرنا ہے اور ان کو گدھے سے مثال دی۔ اس لیے کہ انسان جو نفع کتاب سے اٹھا سکتا ہے وہ نہ اٹھایا اور نرا بوجھ اس پر رہ گیا۔ وہ مسلمان غور کریں جو قرآن کریم پر عمل نہیں کرتے۔

3350۔ یہ آرزوئے موت برنگ مباہلہ ہے۔ [دیکھو نمبر: 120]

3351۔ **طاعون کے مقام سے نکلنا:** آیت کا مطلب تو صاف ہے کہ یہ یہودی جو مباہلہ سے گریز کرتے ہیں تو کریں آخر اپنے کیے کی سزا پا کر ہی رہیں گے۔ لیکن اس آیت سے یہ غلط استدلال کیا گیا ہے کہ جہاں طاعون پڑ جائے وہاں سے بھاگنا نہیں چاہیے۔ حالانکہ صحابہ سے طاعون کی جگہ سے خروج کا جواز مروی ہے۔ مثلاً عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے کہا کہ طاعون رجس ہے اس سے وادیوں وغیرہ میں یعنی کھلے میدان میں پھیل جاؤ۔ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے طاعون کے پڑنے پر کہا کہ کھلے میدان میں پھیل جاؤ، یہاں تک کہ یہ دور ہو جائے۔ البتہ یہ خیال کرنا کہ طاعون کی جگہ سے نکل جانا انسان کو موت سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ (تعالیٰ) کے ذکر کی طرف جلدی آجاؤ اور کاروبار کو چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ (3352)

بچاتا ہے اچھا نہیں اور نہ ہی دوسری آبادیوں میں جانا مناسب ہے۔ کیونکہ اس طرح وہاں بھی طاعون پھیل جائے گی۔

زندگی کی قدر اور موت کا خوف: موت کا خوف سو اس میں شک نہیں کہ دنیا پرست کفار موت کے نام سے گھبراتے ہیں اور دوسری طرف ادنیٰ ادنیٰ ناکامیوں پر خودکشی بھی کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ اس زندگی کی قدر و قیمت جانتے ہیں نہ دوسرے عالم کی۔ اسلام نے دونوں کی قدر و منزلت سکھائی ہے۔ اس زندگی کی قدر و منزلت تو یہاں تک ہے کہ خودکشی کرنے والا گویا مسلمان ہی نہیں رہتا اور اس کی موت کفر کی موت ہے۔ اور دوسرے عالم کی قدر و منزلت یہاں تک ہے کہ جب انسان کے لیے پیغام اجل آجائے تو خوشی سے اسے زندگی کو الوداع کہہ کر دوسرے عالم کی طرف قدم رکھے۔ ہاں اس زندگی سے بھی بڑھ کر جس چیز کی قدر سکھائی ہے وہ انسان کا فرض ہے۔ اگر کسی شخص کے سامنے یہ سوال ہو کہ اپنے فرض کو سرانجام دے اور موت کو قبول کرے یا فرض کو چھوڑ دے اور زندگی کو بچالے تو بروئے تعلیم اسلام یہ دوسری بات ایک مومن کے شایانِ شان نہیں۔

3352۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ نماز جمعہ مکہ میں فرض ہوئی مگر رسول اللہ ﷺ نے وہاں جمعہ نہیں پڑھا۔ یا تو اس لیے کہ کافی تعداد نہ تھی اور یا اس لیے کہ جمعہ کے لیے اظہار ضروری تھا اور مکہ میں آپ کو چھپ کر نماز پڑھنی پڑتی تھی۔ اور مدینہ میں اول اول اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ پڑھا۔ مگر یہ صحیح نہیں ہوسکتا کہ بغیر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے ایسا کیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو انصار کی تعلیم کے لیے بھیجا تو اسے جمعہ پڑھانے کا حکم دیا تھا اور **مدینہ میں سب سے پہلے انہوں نے جمعہ قائم کیا۔** اور اسعد ایک گاؤں میں جمعہ پڑھا کرتے تھے جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے جب تشریف لائے تو دوشنبہ کے دن قبا میں اترے اور پھر جمعہ مدینہ میں جا کر پڑھا اور یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ نے پڑھا۔ اور کتنے آدمی ہوں تو جمعہ **فرض ہوتا ہے؟** اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں دو، ایک میں تین، ایک میں چار، پھر اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے چالیس اور اسّی تک تعداد پہنچائی ہے۔ اور ایک قول میں ہے کہ جماعت کثیر ہو بغیر تعداد کی قید کے اور صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ دو سے جب جماعت ہو جاتی ہے تو جمعہ کے لیے بھی دو آدمی کافی ہیں۔ اور جمعہ کے ترک کرنے پر احادیث میں سخت مواعید ہیں اور جمعہ کا خطبہ وعظ و نصیحت کے لیے ہے۔ اس لیے اگر سامعین نے اسے سمجھا نہیں تو اصل مقصد جمعہ کا فوت ہو گیا۔ عربی میں خطبہ پڑھ دینا جب سامعین عربی کا حرف بھی نہ جانتے ہو جمعہ کی غرض کو ہی کالعدم کر دینا ہے۔ ایسا ہی اسعد کا ایک گاؤں میں جمعہ پڑھنا صاف بتاتا ہے کہ جمعہ شہر میں بھی ہوسکتا ہے اور گاؤں میں بھی اور جنگل میں بھی اور جمعہ کے بعد جو لوگ نماز ظہر کو دہراتے ہیں اور اس کا نام احتیاطی رکھتے ہیں تو یہ طریق بالکل آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے عمل کے خلاف ہے۔ یہ سورت مدنی ہے اور جمعہ کی فرضیت نماز

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩

پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ (تعالیٰ) کو بہت یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔ (3353)

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ ع 2 3 12

اور جب تجارت یا کھیل کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ کہہ، جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل سے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ (تعالیٰ) بہترین رزق دینے والا ہے۔ (3354)

کی فرضیت کے اندر آ جاتی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہی ہدایت دی ہے کہ جمعہ کے دن نماز کے وقت کاروبار کو چھوڑ کر خطبہ وعظ اور نماز جمعہ میں ضرور شامل ہوں، کیونکہ یہ ایک ضروری اجتماع ہے۔ اور اگر اسے ترک کر دیا جائے تو قوم کے اندر پند و نصیحت کا سلسلہ باقی نہ رہ کر قوم مردہ ہو جاتی ہے۔ گویا جمعہ ایک نہایت ضروری رکن دین تعلیم اسلام کو زندہ رکھنے کے لیے ہے۔ ﴿اِذَا نُوْدِیَ﴾ سے یہ مراد نہیں کہ اگر اذان نہیں سنی تو اٹھے ہی نہیں، بلکہ اس کا وقت مراد ہے اور بَیْعَ میں یہاں ہر قسم کے معاملات یا کاروبار شامل ہیں۔

3353۔ **جمعہ کے دن کاروباری ممانعت نہیں:** جمعہ پڑھ کر کاروبار میں لگ جانا جائز ہے اور کاروبار صرف نماز جمعہ کے لیے چھوڑے جاتے ہیں، آگے پیچھے نہیں۔ یہودیوں یا عیسائیوں کے سبت کے خلاف کردہ سبت کا سارا دن دنیوی کاروبار کو ممنوع سمجھتے ہیں۔

3354۔ بخاری میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک قافلہ جمعہ کے دن آ گیا اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو لوگ اس کی طرف دوڑ گئے اور آپ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے اور بعض روایات میں ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات کہ قافلہ کی خبر سن کر صحابہ ادھر بھاگ گئے ہوں اور خطبہ چھوڑ گئے ہوں کسی طرح قابل قبول نہیں اور کوئی موقعہ ہو تو علیحدہ بات ہے۔ اور قرآن شریف کے الفاظ میں تجارت اور لہو دو باتیں ہیں اور لہو کی طرف جانے والا کوئی مسلمان نہ تھا۔ اصل میں یہ ذکر منافقوں کا ہے کہ ان کی یہ حالت ہے کہ وہ تجارت اور کھیل کو ذکر اللہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اگلی سورت انہی منافقوں کے ذکر پر ہے۔ اور عموماً ایک سورۃ کا خاتمہ اس ذکر پر ہوتا ہے جو اگلی سورت کا مضمون ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ①

جب منافق تیرے پاس آتے ہیں کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو یقیناً اللہ کا رسول ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ (3355)

وقف لازم

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ②

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ سو وہ اللہ کے رستے سے روکتے ہیں، برا کام ہے جو یہ کرتے ہیں۔

سورۃ المنافقون

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْمُنٰفِقُوْنَ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 11 آیتیں ہیں اور اس میں منافقوں کا ذکر ہے جو منہ سے کچھ کہتے تھے اور دل میں کچھ رکھتے تھے۔ اور یہ پچھلی سورت کے مضمون کا ہی تتمہ ہے۔ تاکہ مومن کسی قسم کی مشابہت ایسے لوگوں سے پیدا نہ کریں۔ اسی لیے دوسرے رکوع میں مومنوں کو ان کا اصل مقصد زندگی کا ذکر اللہ یاد دلا کر متنبہ کیا ہے کہ اموال و اولاد میں اس قدر مشغول نہ ہوں کہ اصل غرض زندگی کو بھول جائیں۔ یہ سورت بھی مدنی ہے اور اسی زمانہ کی ہے جس زمانہ کی پچھلی سورت ہے۔

3355۔ **منافقوں کا جھوٹ بولنا:** رسول کی گواہی دینے سے مراد اس پر ایمان لانا ہے۔ یعنی ﴿نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ سے مراد ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ مگر منافق ایمان نہ لاتے تھے، ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرۃ: 8:2] ''اور لوگوں میں سے بعض ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور وہ مومن نہیں۔'' اس لیے انہیں جھوٹے کہا ہے۔ اور یا ان کے جھوٹا ہونے سے مراد عام طور پر ان کی جھوٹ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳

یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہوئے تو ان کے دلوں پر مہر لگ گئی، سو وہ سمجھتے نہیں۔ (3356)

وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴

اور جب تو انہیں دیکھتا ہے تو ان کے جسم تجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اگر وہ بات کریں تو تُو ان کی بات کو سنے۔ گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں (جنہیں) لباس پہنایا گیا ہے۔ وہ ہر زور کی آواز کو اپنے اوپر (تباہی) خیال کرتے ہیں۔ وہ دشمن ہیں، سو ان سے بچتا رہ۔ اللہ انہیں ہلاک کرے کس طرح الٹے پھر جاتے ہیں۔ (3357)

بولنے کی عادت ہے جیسا کہ بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کہتے ہیں کہ میں نے کسی سفر میں عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے سنا کہ ان لوگوں پر روپیہ خرچ نہ کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں تاکہ یہ لوگ نکل جائیں اور یہ بھی کہ مدینہ جب ہم واپس جائیں گے تو عزت والے لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ اپنے چچا سے بیان کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلایا تو اس نے انکار کر دیا اور قسم اٹھائی کہ میں نے یہ نہیں کہا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر یہ بہت ہی دشوار گزرا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تصدیق کرتا ہے۔

3356۔ **منافقوں کا ایمان اور کفر:** ﴿اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا﴾۔ بعض نے اسے ان لوگوں کے متعلق لیا ہے جو مرتد ہو گئے اور یا مراد یہ ہے کہ قول سے ایمان لاتے ہیں اور دل سے کفر کرتے ہیں یا مومنوں کے سامنے ایمان لاتے ہیں اور اپنے شیاطین سے مل کر کفر کرتے ہیں۔

3357۔ ﴿خُشُبٌ﴾۔ خَشَبٌ کی جمع ہے جس کے معنی لکڑی ہیں اور اس سے مراد ایسا شخص لیا جاتا ہے جسے حیا نہ ہو۔ (غ)

﴿مُّسَنَّدَةٌ﴾۔ سَنَدَ اصل میں وہ بلند زمین ہے جو پہاڑوں وغیرہ کے سامنے ہو۔ اور [سَنَدَ اَسْنَدَ] کسی چیز کو کسی پر تکیہ دینے کے معنی میں آتا ہے اور حدیث کا اَسْنَادٌ اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانا ہے۔ اور سَنَدٌ ایک قسم کی چادر ہے اور [سَنَّدَ الرَّجُلَ] کے معنی ہیں اس نے وہ لباس پہن لیا ہے جسے سَنَدٌ کہا جاتا ہے۔ (ل) اور یہاں گو عام طور پر ٹیک لگانے کے معنی لیے گئے ہیں۔ مگر دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ یعنی ظاہر ڈیل ڈول اچھی ہے، باتیں بھی خوب بنا بنا کر کرتے ہیں، مگر جو کچھ ہے باہر ہی باہر ہے۔ گویا وہ انسان نہیں بلکہ لکڑیاں ہیں جو اچھے لباس میں ملبوس کی گئی ہیں۔ اور ﴿يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ﴾ سے یہ

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵

اور جب انہیں کہا جاتا ہے آؤ اللہ کا رسول تمہارے لیے بخشش مانگے، وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔ (3358)

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶

ان پر برابر ہے کہ تو ان کے لیے بخشش مانگے یا ان کے لیے بخشش نہ مانگے، اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ اللہ (تعالیٰ) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷

وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان پر خرچ نہ کرو جو اللہ کے رسول کے پاس ہیں، یہاں تک کہ وہ چلے جائیں اور اللہ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔ لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸ ع 1 8 13

کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو اس سے نکال دیں گے اور اللہ کے لیے ہی عزت ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے۔ لیکن منافق نہیں جانتے۔ (3359)

مراد ہے کہ دشمن کی چڑھائی وغیرہ کی جو آواز آتی ہے اس سے انہیں خیال گزرتا ہے کہ اب مارے گئے۔

3358۔ ﴿لَوَّوْا﴾۔ [لَوَى رَأْسَهُ] کے معنی ہیں اَمَالَهُ ایک طرف کرلیا یہی معنی یہاں ہیں۔ (غ) [لَوَى رَأْسَهُ] کے معنی ہیں صَرَّفَهُ اسے پھیر لیا اور تشدید مبالغہ کے لیے ہے۔ اور یہ مثال ہے ترک مکارم کے لیے اور معروف سے الگ ہونے کے لیے اور اچھی بات میں کوتاہی کرنے سے۔ (ل) اگلی آیت کا مضمون اس کے مطابق ہے جو سورۂ توبہ میں گزر چکا۔ [دیکھو نمبر: 1328]

3359۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ عبداللہ بن ابی نے یہ باتیں کہی تھیں۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث [نمبر: 3355] میں گزر چکی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ تمہارے مال اور نہ ہی تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل کریں۔ اور جو کوئی ایسا کرے تو وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (3360)

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰

اور اس سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو وہ کہے اے میرے ربّ! تو نے مجھے ایک قریب وقت تک کیوں مہلت نہ دی تو میں صدقہ کرتا اور نیکوں میں سے ہوتا۔

وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱ ع 2 3 14

اور اللہ کسی شخص کو مہلت نہیں دیتا جب اس کا وقت مقرر آجائے۔ اور اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

3360۔ ﴿تُلْهِكُمْ﴾۔ [لَهَوْتَ بِالشَّيْءِ] اس چیز میں مشغول ہو کر دوسری سے غافل ہو گیا۔ اور [لَهِيْتَ عَنِ الشَّيْءِ] اس کے ذکر کو چھوڑ دیا اور اس سے غافل ہو گیا۔ اور [اَلْهَاهُ ذٰلِكَ] اس چیز نے اسے غافل کر دیا۔ (ل) ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ [التکاثر: 1:102] ''کثرت مال کی خواہش نے تمہیں غافل کر رکھا ہے۔''

گو الفاظ عام ہیں مگر یہاں صاف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں کو بھی کثرت سے اموال اور جتھے ملیں گے اور نصیحت کی ہے کہ اس وقت اللہ کے ذکر کو نہ چھوڑیں اور اصل مقصد زندگی سے غافل نہ ہو جائیں۔

اٰیَاتُهَا 18 (64) سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (108) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

اللہ کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، سو تم میں سے (کوئی) کافر ہے اور (کوئی) تم میں سے مومن ہے۔ اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔ (3361)

سورۃ التغابن

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلتَّغَابُنِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 18 آیتیں ہیں۔ تَغَابُنْ کے معنی ہیں اس کمی کا ظاہر ہو جانا جو انسان اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں دکھاتا ہے اور اس سورت کا مضمون یہی ہے کہ جو کچھ انسان خدا کے حق میں کمی دکھائے گا اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ چونکہ پچھلی سورت میں منافقوں کا ذکر تھا اور مومنوں کو متنبہ کیا تھا کہ وہ مال و اولاد میں اسی طرح مبتلا ہو کر ذکر اللہ سے غافل نہ ہو جائیں، اس لیے اب اس مضمون کو اور کھولا ہے اور [اِنْفَاق فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ] کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اکثر کے قول میں یہ سورت مدنی ہے اور بلحاظ مضمون بھی مدنی ہی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ انفاق پر زیادہ زور مدنی سورتوں میں ہی پایا جاتا ہے۔

3361۔ **خلق سب کی فطرت صحیحہ پر ہے کفر پر کوئی پیدا نہیں ہوتا:** یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا خالق ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ سب ایمان لاتے مگر بعض لوگ کفر کو اختیار کر لیتے ہیں اور شکر نعمت نہیں کرتے۔ چنانچہ آیت کے آخری الفاظ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اس معنی کی وضاحت کرتے ہیں۔ اور اس کے یہ معنی کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے میں ہی بعض کو کافر اور بعض کو مومن بنا دیا ہے صحیح نہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پیدائش کے وقت کیا اس سے پہلے بھی علم ہوتا ہے کہ ایک شخص کیسا ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ پیدا سب کو صحیح فطرت پر کرتا ہے۔ ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ [الروم: 30:30] ''اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہ جس

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳

اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری تصویریں بنائیں۔ سو تمہاری تصویروں کو خوبصورت بنایا اور اسی کی طرف انجام کار جانا ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴

وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور اللہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۪ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۵

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے پہلے کفر کیا۔ سو انہوں نے اپنے کام کی سزا چکھی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۶

یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آتے تھے تو وہ کہتے، کیا انسان ہمیں راہ دکھائیں گے؟ سو انہوں نے کفر کیا اور پھر گئے اور اللہ کسی کا محتاج نہ تھا اور اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔ (3362)

پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔''

شقی وسعید کا ماں کے پیٹ میں لکھا جانا: اور حدیث میں ہے [كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ] (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب: مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ، حديث: 1385) اور کفر اور ایمان بذریعہ اکتساب ہیں۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں جب بچہ ہوتا ہے تو ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس کا رزق اور اس کی اجل اور اس کا عمل اور اس کا شقی اور سعید ہونا لکھ لیتا ہے۔ تو یہ سب کچھ علم الٰہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی پیدائش میں کوئی ایسا فرق کر دیا جاتا ہے کہ وہ خاص قسم کے اعمال کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ یہ قرآن شریف کی تعلیم کے اصول کے خلاف ہے۔

3362۔ ﴿بَشَرٌ﴾ یہاں بطور جنس استعمال ہوا ہے۔ اس لیے ﴿يَهْدُوْنَ﴾ جمع لایا گیا ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷

جو کافر ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ کہہ، ہاں میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں ضرور اس کی خبر دی جائے گی جو تم نے عمل کیے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۸

سو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس نور (پر) جو ہم نے اتارا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹

جس دن کہ وہ تمہیں جمع ہونے کے دن کے لیے اکٹھا کرے گا، یہ کمی کے ظاہر ہو جانے کا دن ہے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اس کی برائیاں اس سے دور کر دیتا ہے اور اسے باغوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ انہی میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ (3363)

3363۔ ﴿تَغَابُنِ﴾۔ غَبْنَ یہ ہے کہ تم اپنے ساتھی کا کسی معاملہ میں جو تمہارے اور اس کے درمیان ہو اخفا کے طریق پر حق کم کر دو۔ اور یہ مال میں بھی ہوتا ہے اور رائے میں بھی۔ [غَبَنْتُ كَذَا] کے معنی ہیں اس سے غافل ہوا۔ پس اسے غَبْنَ سمجھا اور ﴿يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ قیامت کا دن ہے بوجہ اس **مبایعت میں ظہور غَبْنَ کے جس کی طرف آیات میں اشارہ ہے:** ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ [البقرة: 207:2] ''اور لوگوں میں سے وہ (بھی) ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے۔'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ [التوبة: 111:9] ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اس کے) بدلہ میں ان کے لیے جنت ہے۔'' ﴿اَلَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ [آل عمران: 77:3] ''وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی قیمت لے لیتے ہیں۔'' اور بعض کے نزدیک ﴿يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ اسے اس لیے کہا گیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ان کا اندازہ تھا اس کے خلاف وہاں ظاہر ہوگا۔ (غ) پس کافر کی وہ کمی ظاہر ہو جائے گی جو ترک ایمان کی وجہ سے ہے اور مومن کی وہ جو نیکی کی کمی کی وجہ سے ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰ ع

اور جو انکار کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہی آگ والے ہیں، اسی میں رہیں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱

اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔(3364)

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۲

اور اللہ (تعالیٰ) کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم پھر جاؤ تو ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳

اللہ وہ ہے کہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں اور اللہ پر ہی مومنوں کو چاہئے کہ بھروسا کریں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہاری بیویوں میں سے اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو۔ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔(3365)

3364۔ **ایمان کا تعلق اول قلب سے ہی ہے** اور قلب مرکز ہے۔ پس ایمان سے دل ہدایت پاتا ہے اور دل کے ہدایت پانے سے سب اعمال درست ہو جاتے ہیں۔

3365۔ **بیبیاں اور اولاد کس معنی میں انسان کے دشمن ہیں:** اس سے یہ مطلب نہیں کہ بعض بیبیاں خاوندوں کی دشمن ہو جاتی ہیں اور ان کے قتل کے منصوبے کرتی ہیں اور بعض اولاد ماں باپ کی دشمن بن جاتی ہے۔ بلکہ ان کا دشمن ہونا اس لحاظ سے ہے جس کی تصریح آگے خود کر دی ہے کہ وہ فتنہ یعنی آزمائش ہیں۔ بی بی اور اولاد کی محبت انسان سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

تمہارے مال اور تمہاری اولاد صرف ایک آزمائش ہیں اور اللہ وہ ہے کہ اس کے پاس بڑا اجر ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾

سو اللہ کا تقویٰ کرو جہاں تک ہو سکے اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو، تمہارے اپنے لیے بہتر ہے۔ اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہیں۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۙ﴿۱۷﴾

اگر تم اللہ کے لیے کوئی اچھا مال الگ کرو تو وہ اسے تمہارے لیے بڑھاتا ہے اور تمہاری حفاظت کرتا ہے اور اللہ قدر کرنے والا بردبار ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع 2 8 16

پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، غالب حکمت والا ہے۔

معصیت کے بڑے بڑے کام کرا دیتی ہے بلکہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو بڑی رکاوٹ یہی ہوجاتی ہے۔ یعنی بی بی اور اولاد کا خیال یا وہ چاہتے نہیں کہ تمہارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہو۔ اور یوں [اِنْفَاق فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ] میں روک ہوجاتے ہیں اور یہی ان کا دشمن ہونا ہے یعنی وہ انسان کے آخر کار نقصان کا موجب ہوجاتے ہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک شخص کی ہلاکت اس کی بی بی اور اس کی اولاد کے ہاتھ پر ہوگی۔ یعنی وہ ان کے لیے مال کمانے کی خاطر ارتکاب معاصی کرے گا اور ہلاک ہوجائے گا۔ اور آخر پر جو فرمایا: ﴿وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا﴾ تو یہ مراد ہے کہ بیبیوں اور اولاد سے اگر تمہیں کچھ تکلیف پیش آئے، اس لیے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم انہیں ناجائز مال لا کر دو یا تمہارے [اِنْفَاق فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ] پر تم سے ناراض ہوجاتے ہیں یا تکلیف پہنچاتے ہیں، تو تم ان سے عفو، درگزر وغیرہ ہی کرو۔ اور اگلی آیت میں صاف کر دیا کہ مال اور اولاد انسان کے لیے فتنہ ہے۔ یعنی اس ذریعہ سے اس کا کھرا پن اور کھوٹا پن پرکھا جاتا ہے کہ کون اولاد اور بی بی کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو قربان کر کے انفاق سے رک جاتا ہے اور کون اللہ کی محبت کو سب پر مقدم کر لیتا ہے۔ اور اس مضمون کو آیت 16 میں سب کا نتیجہ ﴿اَنْفِقُوْا﴾ لا کر صاف کر دیا ہے اور ساتھ ہی ﴿مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ﴾ بھی بڑھا دیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اصل غرض یہی ہے۔

سورۃ الطلاق

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلطَّلَاقِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 12 آیتیں ہیں۔ اس کے پہلے رکوع میں طلاق کے کچھ مسائل کا ذکر ہے جو سورۂ بقرہ کے مضمون کی تکمیل کرتے ہیں اور دوسرے رکوع میں رسول کے احکام سے سرکشی اختیار کرنے کا نتیجہ بتایا ہے۔ ان دونوں باتوں میں باہم تعلق کے لیے [دیکھو نمبر: 3372]۔ یہ سورت مدنی ہے اور سورۂ بقرہ کے بعد کی نازل شدہ ہے، غالباً اس کا زمانہ چھٹے سال ہجری کے قریب کا ہے۔ بظاہر اس سورت میں ایک ایسے مضمون کا ذکر ہے جس کا پہلی سورتوں سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر **قرآن کی ترتیب** پر بحیثیت مجموعی ایک غور کی نظر ڈالی جائے تو یہی ظاہر بے تعلقی ایک لطیف حکمت کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ قرآن کریم کی ابتدا مدنی سورتوں سے ہوتی ہے اور اس کا خاتمہ مکی سورتوں پر ہوتا ہے یعنی سورۂ تحریم کے بعد انتیسویں پارہ سے لے کر آخر تک مکی سورتیں ہیں سوائے سورۂ اَلنَّصْرِ کے کہ اس کا نزول بھی گو مدنی زمانہ میں ہے مگر مکہ میں ہی ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ مکی سورتوں میں تفصیلات شریعت نہیں۔ اور یوں یہ دونوں سورتیں اَلطَّلَاقِ اور اَلتَّحْرِيْمِ مدنی سورتوں کے خاتمہ پر ہیں۔ تو جس طرح پر سب سے پہلی مدنی سورت یعنی سورۂ بقرہ میں ایلاء اور طلاق کا ذکر تھا، یہاں مدنی سورتوں کے خاتمہ پر ان سورتوں کو رکھا ہے جن میں وہی ذکر ہے۔ اور یوں گویا اس پہلی سورت کے مضمون کی تکمیل یہاں کر کے ایک پُرحکمت ترتیب کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس بات کی طرف بھی کہ قرآن کریم نے ایک معمولی مسئلہ طلاق کو کمال کو پہنچا کر یہ دکھا دیا کہ اس میں ہر ایک ضروری مسئلہ تکمیل کو پہنچا دیا گیا ہے۔ گویا تفصیلات شریعت میں مسئلہ طلاق سے ہی آغاز کیا اور مسئلہ طلاق پر ہی خاتمہ کیا۔ اور فی الحقیقت یہ دس مدنی سورتیں یعنی اَلْحَدِيْدِ، اَلْمُجَادَلَةِ، اَلْحَشْرِ، اَلْمُمْتَحِنَةِ، اَلصَّفِّ، اَلْجُمُعَةِ، اَلْمُنٰفِقُوْنَ، اَلتَّغَابُنِ، اَلطَّلَاقِ، اَلتَّحْرِيْمِ، جن کو یہاں مکی سورتوں کے اندر رکھا گیا ہے سب کی سب ہی سورۂ بقرہ کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔ اور جس طرح سورۂ بقرہ میں مومنوں کی فلاح کی راہیں بیان کی گئی ہیں، ان میں بھی فلاح کی راہیں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی طرح ان سب میں کچھ ذکر منافقین کا اور کچھ یہود کا ہے جس طرح سورۂ بقرہ میں یہ ذکر تھا۔ اور تھوڑا سا ذکر عیسائیت کا ہے جو سورۂ آل عمران کے مضمون کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے۔ اور کچھ تفصیلات شریعت یہاں ہیں جیسے سورۂ بقرہ میں تھیں۔ اور خصوصیت سے زور [اِنْفَاق فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ] پر ہے جیسے کہ سورۂ بقرہ میں بھی خصوصیت سے اس پر زور دیا گیا تھا۔ یقیناً یہ ترتیب سور کسی انسان کے خیالات کا نتیجہ نہیں۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ طلاق کے مضمون میں عورتوں کے ساتھ رعایت اور حسن معاشرت اور ان پر تنگی نہ کرنے کی خاص طور پر تعلیم ہے۔ یہاں بھی اور سورۂ بقرہ میں بھی اور قرآن کریم کے اس حصہ کا خاتمہ جس میں تفصیلات شریعت ہیں اس مضمون سے کر کے یہ بتا دیا کہ **اسلام عورتوں سے حسن سلوک اور معاشرت اور خانہ داری کے صحیح اصول کو کس قدر اہمیت دیتا ہے**۔ نبی کریم ﷺ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی خاص تعلیم ہے، یہ بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور فی الحقیقت سچ یہی ہے کہ

اٰیَاتُھَا 12 (65) سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ (99) رُکُوْعَاتُھَا 2

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّۃَ ۚ

اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کی حفاظت کرو(3366)

اگر اس نصف حصہ نسل انسانی کی جس کے سپرد ساری نسل انسانی کی بچپن کی تربیت ہے قدر نہ کی جائے تو نتیجہ یہی ہوگا کہ ساری نسل انسانی کی ترقی پر برا اثر پڑے گا اور آج مسلمان اس معاملہ میں کوتاہی کے نتائج کو ہی بھگت رہے ہیں۔

3366۔خطاب آنحضرت ﷺ سے خاص ہے اور حکم عام ہے۔ گویا نبی کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم اپنی امت کو یوں کہو اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے احکام جو ایسے مسائل میں ہوں وہ سب واجب العمل ہیں۔

طریق طلاق: ﴿طَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ﴾ کے معنی ہیں [مُسْتَقْبِلَاتِ لِعِدَّتِهِنَّ] یعنی ایسے طور پر طلاق دو کہ وہاں سے وہ اپنی عدت کا استقبال کرنے والی ہوں۔ اور کشاف نے اس کی وضاحت یوں کی ہے [وَالْمُرَادُ أَنْ يُّطَلِّقْنَّ فِيْ طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْنَّ فِيْهِ، ثُمَّ يُخَلَّيْنَ حَتّٰى تَنْقَضٰى عِدَّتِهِنَّ] یعنی مراد یہ ہے کہ انہیں ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں خاوند ان کے قریب نہیں گیا اور پھر انہیں چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہو جائے۔ اور یہ طلاق احسن کہلاتی ہے۔ اور ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب صرف ایک ہی طلاق دیتے تھے پھر اس کے بعد کوئی طلاق نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔ اور بخاری میں ہے کہ سیدنا عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بی بی کو حالت حیض میں طلاق دی تو آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے اور مراجعت کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ جب وہ غسل کرلے اور پھر ایک طہر گزرنے کے بعد حیض آئے پھر غسل کرے تو اگر چاہے تو طلاق دے قبل اس کے کہ اسے چھوئے۔ یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کا طریق بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ طلاق صرف طہر میں دی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ اس طہر میں مقاربت نہ ہوئی ہو۔ اور جب طلاق دی جائے تو اس سے عدت شروع ہو جائے گی اور پھر اس عدت کا شمار رکھا جائے یعنی تین طہر گزریں۔ پس ان طہروں کے اندر کوئی دوسری طلاق نہیں دی جاسکتی۔ صحابہ کرام کا بھی یہی عمل تھا۔ مگر جہاں قرآن کریم کے الفاظ صاف موجود ہیں وہاں کسی عمل کا بھی کوئی سوال نہیں۔

تین طلاق: البتہ یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اس حکم قرآنی کے خلاف کیا جائے تو کیا ہوگا؟ سو اگر کوئی شخص حالت حیض میں طلاق دے تو مراجعت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اوپر گزر چکا ہے۔ اور اگر طہر میں طلاق دے لیکن تین طلاق ایک ہی وقت دے جسے طلاق بدعی کہا جاتا ہے یا تین طہروں میں تین طلاقیں دے تو اس کا اثر صرف اس قدر ہوگا

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝

اور اللہ اپنے رب کا تقویٰ کرو۔ انہیں اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس کے کہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ (تعالیٰ) کی حدیں ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھتا ہے تو وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ تُو نہیں جانتا شاید اللہ اس کے بعد کوئی بات پیدا کر دے۔ (3367)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ

پس جب وہ اپنے مقرر وقت کو پہنچیں لگیں تو انہیں پسندیدہ طریق سے روک رکھو یا پسندیدہ طریق سے انہیں جدا

کہ پہلی طلاق پر عدت شروع ہو جائے گی اور باقی طلاقیں خواہ اسی وقت کہی گئی ہوں خواہ بعد کے طہروں میں بے اثر ہوں گی۔ کیونکہ وہ حکم قرآنی کے خلاف ہیں۔ گویا یہ طلاق ایک ہی طلاق کے حکم میں ہوگی اور صحیحین میں ہے کہ ابوالصہباء نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تھا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ تین طلاقیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک ہی قرار دی جاتی تھیں۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا ہاں۔ اور باقی جو لوگوں نے شان نزول میں باتیں بیان کی ہیں تو قرطبی علمائے حدیث کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ ابتداً ایک حکم شرعی کے بیان کے لیے نازل ہوئی اور اسباب نزول میں جو باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ صحیح ثابت نہیں ہوتیں۔ (ر)

3367۔ یعنی عدت میں عورتوں کا اسی طرح گھر میں رکھنا ضروری ہے جس طرح وہ نکاح کی حالت میں تھیں اور انہیں بھی یہی حکم ہے کہ انہی گھروں میں رہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ شاید کوئی اصلاح کی صورت پیدا ہو جائے۔ لیکن ایک صورت میں ان کا گھر سے رخصت کر دینا جائز ہے۔ یعنی جب ان کو کسی امر فاحش کے ارتکاب کی وجہ سے طلاق دی گئی ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق کسی وجہ پر دی جا سکتی ہے اور بلا وجہ طلاق دینا جائز نہیں۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ طلاق کو نبی کریم ﷺ نے [اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتْ] کہا ہے اور اسے مباح کہنا صاف بتاتا ہے کہ اس کی اجازت محض کسی ضرورت کی وجہ سے ہے اور اگر حاجت نہ ہو تو وہ مکروہ ہے۔ اور صحابہ کے طلاق سے جس قدر واقعات نقل ہوئے ہیں تو وہ سب بوجہ کسی ضرورت کے طلاق ہوئی ہے نہ بلا ضرورت۔ اور آخری الفاظ ﴿يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ان کا گھر میں رہنا اس لیے ضروری ہے کہ تا شاید پھر موافقت کا سامان ہو جائے۔

اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ۲

کر دو۔ اور اپنے میں سے دو صاحب عدل گواہ رکھ لو اور گواہی کو اللہ کے لیے درست ادا کرو۔ ان باتوں کا اسے وعظ کیا جاتا ہے جو اللہ (تعالیٰ) اور پچھلے دن پر ایمان لاتا ہے اور جو اللہ کا تقویٰ کرتا ہے وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا رستہ بنا دیتا ہے۔(3368)

وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۳

اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو وہ اس کے لیے بس ہے۔ بے شک اللہ اپنے کام کو پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔(3369)

3368۔ **طلاق اور مراجعت پر شہادت:** یہاں جس شہادت کا ذکر ہے وہ بظاہر طلاق اور مراجعت دونوں پر حاوی ہے کیونکہ دونوں باتوں کا یہاں ذکر ہے۔ مگر بعض نے اسے صرف مراجعت کے متعلق سمجھا ہے اور طبری کا قول ہے کہ یہ طلاق کے وقت شہادت ہے۔

3369۔ **متقی کے لیے مخرج اور رزق کا وعدہ:** متقی کے لیے دو باتوں کا وعدہ کیا ہے۔ ایک مخرج اور ایک رزق ﴿مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾۔ طلاق کے مسئلہ میں اس بات کے ذکر میں یہ سمجھایا ہے کہ مشکلات سے اگر انسان نکل سکتا ہے تو صرف تقویٰ سے اور عورتوں کے معاملہ میں تقویٰ ان کے حقوق کی نگہداشت ہے۔ پس ایک طرف مردوں کو سمجھایا ہے کہ وہ عورتوں پر تشدد کر کے اور ان کے حقوق کی طرف سے لاپروائی برت کر مشکلات سے نجات نہیں پا سکتے۔ اور دوسری طرف عورتوں کو تسلی دی ہے کہ اگر وہ تقویٰ پر قائم رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو مشکلات سے بھی نجات دے گا اور اپنی جناب سے رزق کا سامان بھی کر دے گا اور یوں اپنے عام قانون کا ذکر فرمایا ہے کہ جو شخص تقویٰ کرے مرد ہو یا عورت اللہ تعالیٰ اسے مشکلات سے بھی نکال دیتا ہے اور رزق بھی ایسے ذریعوں سے بہم پہنچاتا ہے کہ اس سے ان ذرائع کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کے ﴿بَالِغُ اَمْرِهٖ﴾ ہونے سے یہ مطلب ہے کہ جس بات کا وہ ارادہ کر لے یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ پوری ہی نہ ہو۔ بٰلِغٌ کے لیے [دیکھو نمبر: 300]۔

وَ الّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴

اور جو تمہاری عورتوں میں سے حیض سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور (ان کی بھی) جنہیں حیض نہیں آتا۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جنیں اور جو اللہ (تعالیٰ) کا تقویٰ کرتا ہے وہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ (3370)

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝۵

یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے۔ اور جو شخص اللہ کا تقویٰ کرتا ہے وہ اس کی برائیوں کو اس سے دور کر دیتا ہے اور اس کو بہت بڑا اجر دیتا ہے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ

انہیں اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تک رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے انہیں تکلیف نہ دو۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ

3370۔ **حیض نہ آنے کی صورت میں عدت:** طلاق کی اصل عدت تین قرء ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ لیکن یہاں تین قسم کی عورتوں کا ذکر کیا جو قرء سے عدت شمار نہیں کر سکتیں۔ ایک وہ جو اس قدر بوڑھی ہو گئی ہیں کہ انہیں حیض آنا موقوف ہو گیا ہے اور یہاں ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ اس لیے بڑھایا کہ بعض وقت بیماری کی صورت ہو جاتی ہے جسے استحاضہ کہا جاتا ہے اور ماہوار ایام نہیں ہوتے۔ دوسری وہ جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں۔

حاملہ کی عدت: اور تیسری حاملہ عورتیں۔ اور حاملہ کی صورت میں حکم عام ہے یعنی خواہ مطلقہ ہو، خواہ بیوہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اور جس طرح حمل کی صورت میں اگر بیوہ کی معمولی عدت چار ماہ دس یوم گزر جائیں اور وضع حمل نہ ہوا ہو تو نکاح جائز نہیں۔ بلکہ وضع حمل کا انتظار کرنا ہوگا۔ اسی طرح اگر چار ماہ دس یوم سے پہلے وضع حمل ہو جائے تو عدت وضع حمل کے ساتھ ختم سمجھی جائے گی اور اس بارہ میں صحیح بخاری میں حدیث بھی ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سبیعہ اسلمیہ کا خاوند مر گیا اور وہ حاملہ تھی اور چالیس دن کے بعد ان کے ہاں بچہ ہوا، تب انہیں نکاح کا پیغام آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح پڑھا دیا۔

فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝۶

بچہ جنیں۔ پھر اگر وہ تمہارے لیے دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو اور آپس میں پسندیدہ طور پر مشورہ کرلو۔ اور اگر تم ایک دوسرے سے تنگی محسوس کرو تو اس کے لیے دوسری عورت دودھ پلادے گی۔ (3371)

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝۷ ع

چاہئے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اس کی روزی تنگ ہے تو چاہئے کہ وہ اس سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی شخص پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر اسی کے مطابق جو اسے دیا ہے۔ اللہ تنگی کے بعد آسانی کردے گا۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸

اور کتنی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی، تو ہم نے اس کا حساب سختی سے لیا۔ اور اسے سخت سزا سے عذاب دیا۔

3371۔ وَجَدَ۔ وُجُوْدٌ یا پانا کئی طرح پر ہے۔ مثلاً حواس خمسہ میں سے کسی سے، یا قوت شہویہ یا غضبیہ سے یا عقل سے اور کسی چیز پر قدرت پالینے کو بھی وجود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [التوبة: 5:9] ''ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو۔'' اور ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ [النساء: 43:4] ''پھر تم کو پانی نہ ملے۔'' میں مراد ہے کہ پانی پر قدرت نہ پاؤ اور ﴿وُجْدِكُمْ﴾ کے معنی بھی تمکن ہیں اور غنا کو بھی وُجْدَانَ یا وُجْد کہا جاتا ہے اور یہاں مراد ہے اپنے غنا کے اندازہ پر۔ (غ)

﴿تُضَيِّقُوْا﴾۔ [دیکھو نمبر: 1358] اور یہاں نفقہ کی تنگی اور سینہ کی تنگی دونوں شامل ہیں۔ (غ)

﴿اْتَمِرُوْا﴾۔ [دیکھو نمبر: 1133] اور ائْتِمَارٌ مشورہ کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں ایک دوسرے کے امر کو قبول کرتا ہے۔ (غ)

﴿تَعَاسَرْتُمْ﴾۔ [تَعَاسَرَ الْقَوْمَ] کے معنی ہیں [طَلَبُوْا تَعِيْسَرَ الْاَمْرَ] ایک امر کو مشکل کرنا چاہا۔ (غ)

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹

تو انہوں نے اپنے کام کی سزا چکھی اور ان کے کام کا انجام گھاٹا ہی ہوا۔ (3372)

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰ ع

اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہے سو اللہ کا تقویٰ کرو۔ اے عقل والو! جو ایمان لائے ہو، اللہ نے تمہاری طرف ذکر اتارا ہے۔

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝۱۱

(وہ) رسول وہی ہے جو تم پر اللہ کی کھلی آیتیں پڑھتا ہے۔ تاکہ انہیں جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالے اور جو اللہ (تعالیٰ) پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اس کو باغوں میں داخل کرتا ہے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ انہی میں رہے گا۔ اللہ نے اسے اچھا رزق دیا ہے۔ (3373)

3372۔ پہلے رکوع میں طلاق کا ذکر ہے اور دوسرے میں رسولوں کے حکم سے انحراف کا۔ وجہ تعلق یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح خاوند میں اثر ڈالنے کا اور زوجہ میں اثر قبول کرنے کا مادہ ہوتا ہے اسی طرح روحانی طور پر رسول میں اثر ڈالنے کا مادہ ہوتا ہے اور **امت میں قبولیت اثر کا** اور یوں ایک لطیف تعلق عورت کی خاوند سے علیحدگی اور امت کے تعلیم رسول سے انحراف میں ہے۔ اور اس مضمون کو سورۂ تحریم کے آخر پر قرآن شریف نے خود واضح کر دیا ہے جہاں کفار کی مثال دو عورتوں سے دی ہے۔ اور **مومنوں کی مثال بھی دو عورتوں** سے دی ہے۔ [دیکھو نمبر: 3383]

3373۔ **رسول کا نزول:** ﴿رَّسُوْلًا﴾ یہاں پہلی آیت میں ﴿ذِكْرًا﴾ سے بدل ہے اور آنحضرت ﷺ کے بھیجنے کو یہاں ﴿اَنْزَلَ﴾ سے تعبیر کیا ہے۔ (ر)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع 2 5 18

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے انہی کی مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور کہ اللہ (تعالیٰ) نے ہر چیز کا (اپنے) علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔ (3374)

3374۔ چونکہ ہر چیز اپنے نیچے والی چیز کے لحاظ سے سماء کہلاتی ہے اور اوپر والی چیز کے لحاظ سے ارض [دیکھو نمبر: 44] **اس لیے سات آسمانوں اور ان کی مثل زمینوں سے مراد** ایک ہی ہے یعنی نظام شمسی کے سات بڑے سیارے جو زمین کے علاوہ ہیں۔ اور یا وہ سیارے اتنی زمینیں ہیں اور ان کے رستے جن میں وہ چلتے ہیں ﴿سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ ہیں جیسا کہ انہیں دوسری جگہ ﴿سَبْعَ طَرَآىِٕقَ﴾ [المؤمنون: 17:23] ''سات رستے'' کہا ہے اور ﴿یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کا نفوذ بھی ہو سکتا ہے۔ اور قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کا حکم اور اس کی قضا ہر زمین میں ہے۔ اور بعض کے نزدیک مراد موت اور حیات اور غنا اور فقر وغیرہ ہیں۔ اور مقاتل کا قول ہے کہ نزول وحی مراد ہے۔ اور ﴿بَیْنَهُنَّ﴾ اس لیے کہا کہ ان تمام میں ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ان امور کا نفوذ ہے۔ (ر)

سورۃ التحریم

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلتَّحْرِيْمِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 12 آیتیں ہیں اور اس کا نام اَلتَّحْرِيْمِ اس واقعہ سے لیا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ کو مدینہ میں پیش آیا یعنی واقعہ ایلاء۔ اور وہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی بیبیوں نے جب مسلمانوں میں نسبتاً آسودہ حالی دیکھی تو انہیں خیال ہوا کہ انہیں بھی اس سے حصہ ملنا چاہئے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے گزارہ کی یہ حالت تھی کہ گھروں میں کوئی سامان نہ تھا۔ روشنی کے لیے چراغ تک نہ ہوتا تھا۔ مہینوں صرف کھجور کھا کر پانی پی لیتے اور کھانا نہ پکتا تھا۔ پس آپ کی بیبیوں کے دل میں اس خیال کا آنا کہ کسی قدر آسودہ حالی انہیں ملے ایک قدرتی امر تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جس غرض کے لیے اپنے نبی کو اجازت دی تھی کہ ان بیبیوں کو اپنے نکاح میں لائیں وہ اس کے منافی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو ناپسند کیا۔ بعض بیبیوں نے اصرار اور مطالبہ میں شدت کا پہلو اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ماہ کے لیے اپنی بیبیوں کو اپنے اوپر حرام کر دیا اور ایک بالا خانے میں علیحدگی اختیار کی اور لوگوں میں غلط مشہور ہو گیا کہ آپ نے طلاق دے دی ہے۔ بالآخر وحی الٰہی نازل ہوئی اور ازواج مطہرات کو سمجھا دیا کہ اگر وہ نبی کے گھر میں رہنا چاہتی ہیں تو مال دنیا سے محروم ہو کر رہنا پڑے گا اور انہیں اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو طلاق لے لیں اور مال دنیا کا حصہ، اور چاہیں نبی کے گھر میں رہیں۔ انہوں نے دوسری شق کو اختیار کیا، لیکن آنحضرت ﷺ ایک ماہ کے لیے علیحدگی کی قسم کھا چکے تھے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ آپ کے ایک حلال چیز کو حرام کر لینے سے امت میں فتنہ پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے تو سورت کا یہ نام ہے لیکن مومنوں کی تطہیر اور تزکیہ اس کا اصل مضمون ہے۔ اس لیے دوسرے رکوع میں اس اصل غرض کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ امت فی الحقیقت عورت کے حکم میں ہے اور شاید نبی کریم ﷺ کے ازواج مطہرات کو طلاق نہ دینے مگر ان سے عارضی علیحدگی اختیار کر لینے میں یہ باریک اشارہ ہو کہ اس امت کی حالت اپنے نبی کی تعلیم کے خلاف چلنے سے اس حد تک نہ پہنچے گی جس حد تک پہلی امتوں کی حالت پہنچی۔ یعنی وہ امتیں اپنے نبیوں کے فرمان سے بالکل نکل گئیں جو گویا بی بی کی طلاق کے حکم میں ہے۔ لیکن اس کے دنیا پر گر جانے اور دنیا کی طرف مائل ہو جانے سے اسے کچھ حصہ مصائب کا جو عارضی علیحدگی سے مشابہ ہے ضرور برداشت کرنا پڑے گا۔ سورت کا تعلق پچھلی سورت سے ظاہر ہے اور زمانہ نزول نواں سال ہجری ہے اور سورت مدنی ہے۔

اٰيَاتُهَا 12 (66) سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (107) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

اے نبی! کیوں اسے حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا۔تو اپنی بیویوں کی رضا چاہتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔(3375)

3375۔ان الفاظ میں کس چیز کی تحریم کا ذکر ہے؟ایک لمبر قصہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بیان کیا جاتا ہے،جس کے متعلق اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ قصہ کسی صحیح طریق پر مروی نہیں۔دیکھو روح المعانی۔دوسرا قصہ شہد پینے کا ہے یعنی نبی ﷺ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پیا کرتے تھے تو سیدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے یہ مشورہ کیا کہ آپ کو کہا جائے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے (یہ ایک بدبودار گوند ہے جو درخت سے جھڑتا ہے)۔چنانچہ ایسا کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔یہ روایت گو بخاری میں ہے مگر محفوظ معلوم نہیں ہوتی۔اس لیے کہ اس بنا پر نبی کریم ﷺ اس خاص شہد کا پینا چھوڑ سکتے تھے۔مگر یہ بات کہ مطلق شہد ہی چھوڑ دیتے جس کے متعلق قرآن شریف میں ہے ﴿فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ [النحل: 69:16] ''اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔'' قابل قبول نہیں اور نہ ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ بات قابل قبول ہے کہ انہوں نے ایک جھوٹ بنایا ہو۔ممکن ہے کہ اس قصہ کی کچھ اصلیت ہو اور وہ صرف اس قدر ہو کہ کوئی خاص قسم کا شہد ہو جس میں بو ہو اور سیدہ عائشہ یا حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایسا محسوس کر کے ہی یہ بات کہی ہو اور نبی کریم ﷺ نے آئندہ اس کے پینے سے انکار کر دیا ہو۔اور بلاشبہ آپ کی طبیعت نفاست پسند تھی اور بُو یا میل سے آپ کو سخت نفرت تھی۔لیکن یہاں پر اس واقعہ کا ذکر نہیں ہوسکتا اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔تیسری بات جس کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ بھی بخاری میں اور دیگر صحاح میں مذکور ہے۔بخاری نے باب [تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ] کے ماتحت ایک حدیث نقل کی ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وہ دو عورتیں کون ہیں جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ﴾ آپ نے فرمایا حفصہ اور عائشہ۔پھر فرمایا کہ ہم جاہلیت میں عورتوں کی کچھ منزلت نہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارہ میں قرآن کریم میں احکام اتارے اور ان کے حصے مقرر کیے۔تو ایک دن میں ایک معاملہ میں کچھ فکر کر رہا تھا تو میری بی بی نے کہا کہ آپ یوں کریں۔تو میں نے کہا تمہیں اس معاملہ میں کیا دخل ہے،تم کیوں خواہ مخواہ بولتی ہو۔تو اس نے کہا تم عجیب آدمی ہو،تم میری بات کو برداشت نہیں کرتے اور تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ سے سوال جواب کرتی ہے یہاں تک کہ آپ بعض وقت ناراض بھی ہو جاتے ہیں۔اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ وہ کس

طرح حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس اور پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے کیونکہ ان سے بھی کچھ تعلق قرابت تھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تم ہر بات میں دخل دیتے ہو، یہاں تک کہ رسول اور ان کی بیبیوں میں جو کوئی معاملہ ہو تم اس میں بھی دخل دینے لگے۔ اس جواب پر آپ خاموش ہو کر واپس آ گئے۔ پھر اس کے جلد ہی بعد ان کا ہمسایہ ایک دن آیا اور خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیبیوں سے الگ ہو گئے۔ تو کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اب حفصہ اور عائشہ کو خفت اٹھانی پڑی۔ تب میں مدینہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے اذن لے کر اس بالا خانے میں گیا جس میں آپ نے علیحدگی اختیار کی تھی اور وہاں آپ سے وہ پہلا ذکر بھی کیا۔ اور احمد کی روایت میں یہ لفظ آتے ہیں کہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی ہے۔ تو میں نے جا کر پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی ہے۔ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ اور اس کے آخر پر یہ لفظ آتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قسم کھالی تھی کہ آپ ایک ماہ تک اپنی بیبیوں کے پاس نہیں جائیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اظہار ناراضی فرمایا۔ (ث) اور بخاری رحمہ اللہ نے آگے [اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ] اور [اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ] کے باب باندھ کر اسی حدیث کا ایک حصہ بیان کیا ہے۔

واقعہ ایلاء

جب ہم سیاق کو دیکھتے ہیں تو اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اگر یہ شہد کا قصہ ہوتا تو اظہار ناراضی صرف دو بیبیوں پر ہوتا۔ یعنی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر۔ حالانکہ یہاں آگے چل کر ﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ﴾ میں سب بیبیوں کو شامل کیا ہے اور یہ قطعی شہادت اس بات پر ہے کہ یہاں ذکر اسی ایلاء کے واقعہ کا ہے جس میں سب بیبیاں شامل تھیں اور مطالبہ مال بھی سبھی کا تھا اور اس کا مفصل ذکر سورۂ احزاب میں گزر چکا ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی ازواج نے زیادہ نفقہ طلب کیا تھا جس پر یہ آیات اتری تھیں۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ [الأحزاب: 28:33] ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور تمہیں اچھی طرح رخصت کر دوں۔'' [دیکھو نمبر: 2647] پھر دوسرا قرینہ یہ ہے کہ پچھلی سورت کی ابتدا یوں ہوتی ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ اور اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ جس میں صاف اس واقعہ ایلاء کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ اور روایات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ احمد کی روایت کے آخر میں یہ لفظ ہیں [حَتّٰى عَاتَبَهُ اللّٰهُ] اور وہ عتاب کے سوائے اس آیت کے اور کہیں نہیں۔ پس یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق ہے۔ تیسرے ابن جریر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صاف ہے۔ [عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: آلَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَحَرَّمَ، فَأُمِرَ فِي الْإِيْلَاءِ بِكَفَّارَةٍ، وَقِيْلَ لَهُ فِي التَّحْرِيْمِ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ] یعنی آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کیا اور حرام ٹھہرایا تو **ایلاء کے متعلق کفارہ کا حکم دیا گیا۔** اور تحریم کے متعلق فرمایا گیا: ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہتر سند اس بارہ میں نہیں مل سکتی۔ اور نسائی میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے، وہ

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے

تجھ پر حرام نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی: ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ (ر) جس سے معلوم ہوا کہ یہ بی بی کے اپنے اوپر حرام کر لینے کے متعلق ہی ہے۔ اور اہل لغت کے نزدیک **حرام اور تحریم کا لفظ** بالخصوص ایسے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے [فِي الْحَرَامِ كَفَّارَةٌ] یعنی **حرام میں کفارہ ہے** جس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ زوجہ کی تحریم مراد ہے جس میں نیت طلاق نہ ہو۔ اور آگے لکھا ہے کہ اسی سے ہے ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ اور اسی سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے [آلَى رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ وَحَرَّمَ فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلَالًا] (سنن الترمذی، باب: مَا جَاءَ فِي الإِيلاَءِ، حديث: 1241) جس سے مراد ہے کہ جو اپنے نفس پر ایلاء کر کے اپنی بیبیوں کو حرام کر لیا تھا اس کو لوٹا یا یعنی حلال کیا۔ (ل)

آپ ﷺ کے ازواج سے حسن سلوک پر شہادت

﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ بیبیوں کی رضامندی چاہنے سے کیا مراد ہے۔ شہد پینے کا واقعہ جس رنگ میں بیان کیا جاتا ہے اس میں اگر آنحضرت ﷺ کا شہد پینا چھوڑ دینا ایک بی بی کو خوش کرنے لیے مانا جائے تو دوسری بی بی کو ناخوش کرنے والا تھا۔ اس لیے اس پر یہ لفظ صادق نہیں آسکتے کہ تو اپنی بیبیوں کی رضامندی کو چاہتا ہے۔ بظاہر یہ رضامندی کل کی ہے یا کم سے کم بہت بڑے حصہ کی۔ اب ہم ایلاء کے واقعہ کو لیتے ہیں تو ﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ کے یہ معنی ہوئے کیا تو اپنی بیبیوں کی رضامندی چاہتا ہے؟ یعنی اگر تم ایسا چاہتے ہو تو پھر ان کو الگ کرنا ٹھیک نہیں، کیونکہ ان کی رضامندی اسی میں ہے کہ وہ تمہاری زوجیت میں رہیں اور تھوڑے مال پر بھی خوش رہیں۔ ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ﴾ [الأحزاب: 51:33] ''یہ بہت قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہوں اور سب کی سب اس پر راضی رہیں جو تو انہیں دے۔'' یا یوں معنی ہو سکتے ہیں کہ تم تو اپنی بیبیوں کی رضامندی کو چاہتے ہو پھر علیحدگی کیوں اختیار کرتے ہو۔ اور یہ گویا آپ کے حسن سلوک کا نقشہ کھینچا ہے جو آپ اپنی بیبیوں سے کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے کلام سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ [خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي] (سنن ابن ماجه، باب: حُسْنِ مُعَاشَرَةِ النِّسَاءِ، حديث: 2053) اور یا ﴿مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ سے مراد بیبیوں کے لیے رضامندی ہے۔ یعنی بیبیوں کے لیے رضائے الٰہی چاہتے ہو۔ تو گویا اس صورت میں یہ بتایا کہ آپ نے جو اپنی بیبیوں سے تعلق کو منقطع کیا جس پر ﴿لِمَ تُحَرِّمُ﴾ نازل ہوا تو یہ اپنی خوشی کے لیے نہ تھا، نہ محض غضب کی وجہ سے بلکہ اصل بات یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ یہ بیبیاں رضائے الٰہی کو حاصل کریں۔ کیونکہ ان کا مطالبہ زیادتی نفقہ کا رضائے الٰہی کے حصول کے خلاف تھا۔ تو پس یہ صاف کر دیا کہ آپ کا اپنے آپ کو ایک حلال چیز سے روکنا محض دوسروں کی خیر خواہی کے لیے ہے اور آپ نہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کا آپ سے تعلق ہے ان کا کوئی قدم رضائے الٰہی کے خلاف پڑے۔ اس لیے آپ نے اپنے نفس پر تکلیف برداشت کر کے ایسی راہ اختیار کی۔ پس آپ کا یہ فعل کوئی بھی معنی لیے جائیں محض حصول رضائے الٰہی کے لیے تھا۔ مگر اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے روک دیا اور گو ایلاء کو

وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۲

اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ علم والا حکمت والا ہے۔(3376)

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۳

اور جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی سو جب اس نے وہ بات بتادی اور اللہ نے (نبی کو) اس پر آگاہ کر دیا تو اس کا کچھ حصہ جتا دیا اور کچھ حصہ سے اعراض کیا۔ پس جب اس کو اس کی خبر دی تو اس نے کہا آپ کو کس نے یہ بتایا؟ کہا مجھے علم والے خبردار نے بتایا۔(3377)

بھی اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا[دیکھو نمبر: 289] مگر چونکہ یہ ایلاء کی ایک خاص صورت تھی جس میں بیبیوں کو صرف ایک مدت معینہ کے لیے اپنے نفس پر حرام کرلیا گیا تھا، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں دونوں لفظ آتے ہیں۔[آلٰی وَحَرَّمَ]اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ﴾ اور اپنے نبی کے لیے پسند نہ فرمایا کہ ایک حلال چیز کو اپنے لیے حرام کرلیں۔ کیونکہ نبی ﷺ میں اگر ایسا نمونہ جائز رکھا جاتا تو امت میں اس قسم کی افراط وتفریط کے لیے گنجائش نکل آتی۔ جس طرح پہلی امتوں نے افراط وتفریط کی راہیں اختیار کیں۔

3376۔﴿تَحِلَّةَ﴾۔ حَلَّ سے مصدر ہے۔ وہ چیز جس سے قسم کی قید دور ہو جائے، یہاں وہ کفارہ ہے۔(غ)

3377۔ **آنحضرت ﷺ اور آپ کی بی بی میں راز کی بات:** یہ بات کیا تھی؟ شہد کے واقعہ کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا تھا کہ میں شہد کو آئندہ ترک کردوں گا، مگر یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتادی اور ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے بعض روایات بیان کی ہیں کہ یہ بات سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے متعلق تھی اور شیعہ کہتے ہیں کہ یہ بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق تھی۔ اور جس بات کو اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے اس کے پیچھے پڑنا بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی ہی بات ہو جس کا دوسروں پر ظاہر کرنا مصلحت نہ ہو۔ میاں بی بی میں بعض ایسی راز کی باتیں بھی ہوتی ہیں جن کا دوسروں پر ظاہر کرنا ٹھیک نہیں ہوتا اور ایسی بات کا اسی واقعہ ایلاء میں ہونا قرین قیاس بھی ہے۔ نیز دیکھو اگلا نوٹ۔ اور اس بات کے یہاں بیان کرنے سے ایک طرف نبی کریم ﷺ کے اخلاق فاضلہ کا دکھانا مطلوب ہے کہ آپ اپنی بیبیوں کی قدر ومنزلت کرتے تھے اور اپنے راز کی باتیں ان سے کہتے تھے اور پھر ساتھ ہی یہ کہ جب اس راز کو ظاہر کیا گیا تو آپ نے ساری بات جتائی بھی نہیں۔ ایک تنگ دل آدمی ایسے

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۴

اگر تم دونوں اللہ کی طرف جھک جاؤ تو تمہارے دل مائل ہی ہو چکے ہیں اور اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو اللہ ہی اس کا دوست ہے اور جبریل اور صالح مومن بھی۔ اور (سب) فرشتے بھی اس کے بعد مددگار ہیں۔ (3378)

موقعہ پر بی بی سے بڑی درشتی سے پیش آتا اور دوسری طرف مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ بھی اپنی بیبیوں سے حسن سلوک میں آپ کے نقش قدم پر چلیں۔

3378۔ یہاں دوصورتوں کا ذکر ہے۔ اول یہ صورت کہ وہ دو بیبیاں توبہ کریں اور دوسری یہ کہ نبی کریم ﷺ کے خلاف ایک دوسری کی پیٹھ بھریں۔ اب یہ ایک دوسری کی پیٹھ بھرنا اس واقعہ ایلاء کے متعلق ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نفقہ کی زیادتی کے مطالبہ میں ابتداءً دو بیبیاں یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا شامل تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اوپر نقل ہو چکی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے تم نہ لگو۔ اور یہ امر واقعہ ایلاء کے بالکل قریب کا ہے۔ پس توبہ بھی اسی معاملہ کے متعلق ہے اور غالباً وہ مخفی بات بھی اسی معاملہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور توبہ کی صورت میں جو فرمایا ﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ تو اس کے یہ معنی لینا کہ تمہارے دل رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی طرف مائل ہو چکے ہیں زیادتی ہے۔ صغی کے معنی صرف مائل ہوا ہیں خواہ اچھی بات کی طرف ہو یا بری بات کی طرف۔ اور چونکہ برے پہلو کا ذکر دوسری صورت میں ہے یعنی ﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ﴾ اس لیے ﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ میں اچھے پہلو کا ذکر ہے یعنی تمہارے دل پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی محبت اور فرمانبرداری کی طرف مائل ہیں اور دوسری صورت میں فرمایا کہ اللہ اس کا مولیٰ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ **پیغمبر کا حقیقی تعلق تو اللہ سے ہے** اور جبریل سے جو آپ پر وحی لاتا ہے اور پھر صالح مومنوں سے جو آپ کے پیغام کو قبول کرتے ہیں اور بیبیوں سے جو تعلق ہے وہ بھی بوجہ ان کے صالح ہونے کے ہے کہ وہ پیغام حق کو پہنچانے میں معاون بنتی ہیں۔ پس جب اس کا حقیقی تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ سے ہے تو اگر بیبیاں پیغام حق کے پہنچانے میں روک پیدا کرنے لگیں تو اسے ان کی کیا پروا ہے۔ تو گویا ایک طرف آپ کے بیبیوں سے تعلق اور محبت وغیرہ کا ذکر کیا تو دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ محبت اور تعلق اسی صورت میں ہے کہ وہ بیبیاں پیغام حق کے پہنچانے میں معاون ہیں۔ اگر وہ روک بننے لگیں تو پھر وہ تعلق بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ اور یہی سبق مسلمانوں کو دیا کہ وہ اپنی بیبیوں سے اعلیٰ درجہ کے تعلقات محبت اور حسن سلوک رکھیں۔ لیکن اگر وہ حق کے رستہ میں روک بنیں تو ان کی کوئی پروا نہ کریں۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝۵

اگر وہ تمہیں طلاق دے دے تو اس کا رب ابھی اسے تم سے بہتر بیویاں تمہارے بدلے دے دے۔ مسلم، مومن، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزے رکھنے والیاں، بیوہ اور کنواریاں۔ (3379)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶ ع 1 7 19

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس کے اوپر فرشتے (مقرر) ہیں سخت (اور) طاقتور، اللہ جو حکم انہیں دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور جو کچھ حکم ملتا ہے وہی کرتے ہیں۔ (3380)

3379۔ ﴿ثَيِّبٰتٍ﴾۔ ثَيِّبٌ کی جمع ہے اور وہ ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس نے نکاح کیا ہو، پھر بعد مساس کسی وجہ سے الگ ہوگئی ہو یعنی خواہ خاوند کی وفات ہے یا اس کے طلاق دینے سے۔ (ل) اور اس کا مادہ ثَيِّبٌ بھی قرار دیا گیا ہے اور ثَوْبٌ بمعنی رجوع بھی۔

آنحضرت ﷺ کی ازواج کے اوصاف

﴿اِنْ طَلَّقَكُنَّ﴾ میں اب تمام بیبیوں کا ذکر ہے کیونکہ مطالبہ بالآخر تمام کی طرف سے تھا۔ اور یہاں بتایا یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ سے علیحدگی تم چاہو اور اس کی صورت دوسری جگہ یوں بیان کی ہے: ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ [الأحزاب: 28:33] ''اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور تمہیں اچھی طرح رخصت کر دوں۔'' تو اللہ تعالیٰ اسے اور بیبیاں ان اوصاف کی دے دے گا۔ کیونکہ اصل غرض جس کے لیے آنحضرت ﷺ کو بیبیوں کی ضرورت ہے وہ دین حق کا دوسروں کو پہنچانا ہے۔ لیکن چونکہ ازواج مطہرات نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اس لیے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب اوصاف ان ازواج میں ہی موجود تھے۔ انہوں نے مال دنیا پر لات ماری اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں رہنے کو ترجیح دی۔

3380۔ اصل غرض اس سورت میں اور پچھلی سورت میں مومنوں کی تطہیر اور تزکیہ ہے اور ازواج کے ذکر سے شروع کرنے میں جو اشارہ ہے اس کے لیے [دیکھو نمبر: 3372] اور ﴿قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ میں بتایا ہے کہ تم اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے اہل و عیال کی بھی اصلاح کی فکر رکھو۔ نہ تم ان پر زیادتی کرو یا حقوق اللہ میں کسی قسم کی افراط و تفریط کرو، نہ انہیں احکام الٰہی کی حد

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَعۡتَذِرُوا الۡیَوۡمَ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ٪﴿۷﴾

اے منکرو! آج عذرمت کرو۔تمہیں وہی بدلہ ملے گا جو تم عمل کرتے تھے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ تَوۡبَۃً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّکَفِّرَ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ یُدۡخِلَکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ ۚ نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَ اغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۸﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے آگے خالص توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمہارا رب تم سے تمہاری برائیوں کو دور کردے اور تمہیں باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔جس دن اللہ نبی کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں چلتا ہوگا۔کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے کامل کر اور ہماری مغفرت فرما۔تو ہر چیز پر قادر ہے۔(3381)

سے آگے بڑھنے دو۔﴿وَّقُوۡدُہَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ﴾ میں بتایا کہ تم چھوٹے ہو یا بڑے کوئی چیز سوائے تقوی اللہ کے تمہیں اس سے نہیں بچا سکتی۔﴿عَلَیۡہَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾ میں بتایا کہ سزا کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی ہستیاں مقرر کی ہیں جو اپنے کام کو کر کے رہتی ہیں اور کسی کے چیخنے چلانے سے وہ کام کو چھوڑ نہیں دیتیں۔غَلِیۡظٌ اور غِلۡظَۃٌ کے لیے [دیکھو نمبر: 1321]

3381۔**بہشت میں غیر متناہی ترقیات اور قرآن کا امتیاز:** یہاں وضاحت کردی ہے کہ اصل غرض مومنوں کی تطہیر ہے اور اسی تطہیر کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے۔اور ان کا یہ دعا کرنا کہ اے ہمارے رب! ہمارے نور کو کامل کر اور ہماری مغفرت فرما، صاف بتاتا ہے کہ مغفرت سے مراد ترقی درجات ہے اور بہشت میں اتمام نور اور ترقی درجات کی دعا صاف بتاتی ہے کہ قرآن کریم بہشت کی ترقیات کو غیر متناہی قرار دیتا ہے۔جہاں ہمیشہ پاک انسانوں کے دلوں کے اندر اور زیادہ ترقی کی خواہش پیدا ہوتی رہے گی۔اور یہ وہ بات ہے جو بہشت کے متعلق دنیا کے کسی مذہب نے نہیں بتائی۔وہ بہشت کو محض ایک خوشی کی حالت سمجھتے ہیں جس میں انسان ہمیشہ کے لیے پڑا رہے گا۔اور بعض مذاہب تو اسے وہاں سے نکال کر پھر دنیا میں لاتے ہیں، جیسے ہندو مذہب۔مگر یہ تعلیم کہ بہشت اعلیٰ سے اعلیٰ ترقیات کا مقام ہے اور کہ وہ ترقیات غیر متناہی ہیں، صرف اسلام نے سکھائی ہے اور کسی مذہب میں اس کا نشان نہیں پایا جاتا۔حتیٰ کہ عیسائیوں کی کتاب میں جہاں ایک روحانی بہشت کا نقشہ کھینچا جانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے بہشت کے مقام ترقی ہونے کی طرف اشارہ تک بھی نہیں۔بلاشبہ قرآن نے تمام روحانی صداقتوں کو

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان کے مقابلہ میں سخت رہ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ (3382)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰

اللہ (تعالیٰ) ان کے لیے جو کافر ہیں نوح کی عورت اور لوط کی عورت کی مثال بیان کرتا ہے۔ وہ ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں، پھر انہوں نے خیانت کی۔ پس وہ اللہ کے مقابل میں ان دونوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور کہا گیا کہ تم دونوں آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (3383)

کمال تک پہنچایا اور ان پر ترقی کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی اور اسی لیے کوئی نیا مذہب بھی اب نہیں آ سکتا۔

3382۔ تطہیر اور تزکیہ بغیر اس کے کمال کو نہیں پہنچتا کہ کفر اور نفاق کا سختی سے مقابلہ کیا جائے۔ ﴿وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ پر [دیکھو نمبر: 1321]

3383۔ **عورت اور امت کی مماثلت:** اس آیت میں کفار کی مثال عورت سے دی ہے اور اگلی دو میں مومنوں کی مثال عورت سے دی ہے اور یوں بتا دیا کہ عورتوں کے ذکر میں بھی امت کا ذکر مقصود ہو سکتا ہے۔ کفار کی مثال حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیبیوں سے دی ہے۔ اب لوط علیہ السلام کی بی بی کا ذکر تو قرآن شریف میں ہے اور اس کی تباہی کا ذکر بھی ہے۔ لیکن نوح علیہ السلام کی بی بی کا ذکر نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ حدیث میں اور توریت میں بھی ایسا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے اور توریت میں بھی جو تباہ ہو گیا۔ اور قرین قیاس ہے کہ اس نے اپنی والدہ کی تربیت کے نیچے عقائد کفر میں تربیت پائی ہو۔ اور ان عورتوں کی خیانت سے مراد ان کا کفر یا نفاق ہی ہے۔ اور راغب نے خیانت اور نفاق کو ایک ہی کہا ہے [نمبر: 726] اور یہاں نفاق ہی معنی لیے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ کفار گو رسولوں کے پیرو ہی ہوں لیکن اگر ان رسولوں کی تعلیم پر عامل نہ ہوں تو محض برائے نام پیرو ہونا انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور اس میں سمجھا یا مسلمانوں کو ہے کہ اگر وہ رسول کی پیروی نہ کریں تو دعویٰ ایمان سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾

وقف لازم

اور اللہ ان کے لیے جو ایمان لائے، فرعون کی عورت کی مثال بیان کرتا ہے۔ جب اس نے کہا اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔ (3384)

وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع 2 5 20

اور مریم عمران کی بیٹی، جس نے اپنی عصمت کو محفوظ کیا تو ہم نے اپنی روح اس میں پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔ (3385)

3384۔ **مومن کی روحانی ترقی کے دو مرتبے:** اس آیت میں مومن کی مثال فرعون کی بی بی سے دی ہے اور اگلی میں مریم بنت عمران سے۔ اور فرعون کی بی بی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کرنے والی تھی اور مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی۔ اور شاید ان دو مثالوں میں یہ اشارہ بھی ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے پیدا ہوں گے اور حدیث میں ہے [وَلَوْ كَانَ مُوسَى وَ عِيْسٰى حَيَّيْنَ لِمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِي] (ابن کثیر، جلد2، ص 68) لیکن اصل میں مومن کے دو مرتبوں کی طرف ان دو مثالوں میں توجہ دلائی ہے۔ یعنی اس پہلی مثال میں اس مومن کے مرتبہ کی طرف جو فرعون کے نیچے ہے یعنی اس کا شیطان ابھی مسلم نہیں ہوا اور اسے بدی کی طرف تحریک کرتا ہے۔ مگر مومن اس کے بالمقابل جدوجہد میں لگا رہتا ہے۔ ﴿مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ﴾ میں اسی جدوجہد کی طرف اشارہ ہے اور اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو یعنی جہاں شیطان کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے اور اسی حالت کے لیے اگلی مثال بیان کی ہے۔ اور اس دوسرے مرتبہ کا ذکر اگلے نوٹ میں ہے۔

3385۔ **یہ دوسری مثال مومن کے اس اعلیٰ مرتبہ کے لیے ہے** جب وہ ﴿اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ کا مصداق ہوتا ہے یعنی شیطان کسی جگہ سے اس پر حملہ آور نہیں ہو سکتا۔ گویا اس کا شیطان فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ تب اس میں اللہ تعالیٰ کی روح یا اس کا پاک کلام پھونکا جاتا ہے اور وہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ چونکہ اصل ذکر مقصود مومن کا تھا نہ مریم کا اس لیے بجائے ﴿نَفَخْنَا فِيْهَا﴾ کے ﴿نَفَخْنَا فِيْهِ﴾ فرمایا۔ حالانکہ دوسری جگہ ایسے ہی موقعہ پر جہاں مریم کا ذکر مقصود تھا فِيْهَا فرمایا ہے۔ دیکھو [الانبیاء: 91:21] جس سے

معلوم ہوا کہ یہاں ذکر مومن کا مقصود ہے اور اسی میں نفخ روح کا ذکر ہے۔ اور بعض نے ضمیر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لیا ہے۔

امت محمدیہ اور امم سابقہ

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی مثال میں مراد یہ ہو کہ جس طرح نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویاں تباہ ہوگئیں اسی طرح پہلے نبیوں کی امتیں آخر کار ہلاکت تک پہنچ جائیں گی۔ اور دوسری مثال میں یہ کہ امت محمدیہ ایک وقت فرعون کے نیچے آکر مبتلائے مصیبت ہوجائے گی لیکن آخر کار وہ اس مصیبت سے نکل جائے گی۔